الرسالہ

Al-Risala

October 1996 • Issue 239 • Rs. 7

کامیابی پچاس فی صد معلومات سے تعلق رکھتی ہے
اور بقیہ پچاس فی صد منصوبہ بندی سے ۔

The Islamic Centre Publications

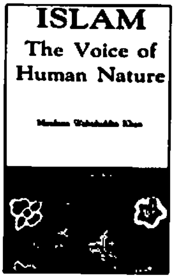

ISLAM: THE VOICE OF HUMAN NATURE
22x14.5cm, 64 pages
ISBN 81-85063-74-5
Rs. 30

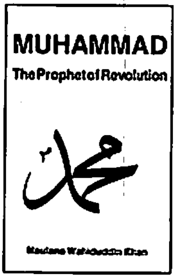

MUHAMMAD: THE PROPHET OF REVOLUTION
22x14.5cm, 228 pages
ISBN 81-85063-00-1
Rs. 85

GOD-ORIENTED LIFE
22x14.5cm, 186 pages
ISBN 81-85063-97-4
Rs. 70

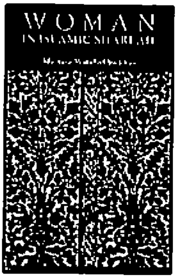

WOMAN IN ISLAMIC SHARI'AH
22x14.5cm, 150 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 185 (Hardbound)

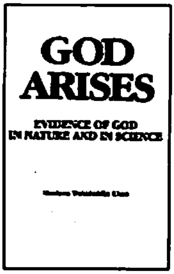

GOD ARISES
22x14.5cm, 271 pages
ISBN 81-85063-14-1
Rs. 85

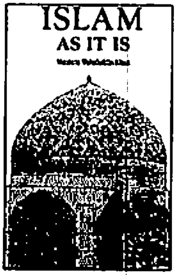

ISLAM AS IT IS
22x14.5cm, 114 pages
ISBN 81-85063-95-8
Rs. 55

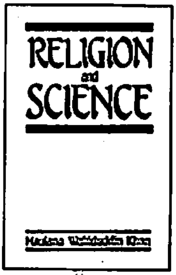

RELIGION AND SCIENCE
22x14.5cm, 96 pages
Rs. 45

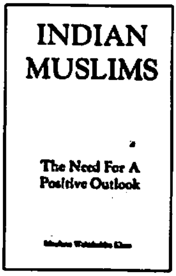

INDIAN MUSLIMS
22x14.5cm, 192 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 175 (Hardbound)

'INTRODUCTION TO ISLAM' SERIES

In this 'Introduction to Islam' series Maulana Wahiduddin Khan—a famous Islamic thinker and scholar and President of the Islamic Centre, New Delhi—has presented the fundamental teachings of Islam in a simple way. The complete series is as follows:

1. The Way to Find God (20 pages; Rs. 12)
2. The Teachings of Islam (46 pages; Rs. 15)
3. The Good Life (36 pages; Rs. 12)
4. The Garden of Paradise (36 pages; Rs. 15)
5. The Fire of Hell (44 pages; Rs. 15)

The series provides the general public with an accurate and comprehensive picture of Islam—the true religion of submission to God. In the first pamphlet it is shown that the true path is the path that God has revealed to man through His prophets. The second pamphlet provides an introduction to various aspects of the Islamic life under forty-five separate headings. Qur'anic teachings have been summarized in the third pamphlet in words taken from the Qur'an itself. In the fourth pamphlet the life that makes man worthy of paradise has been described and in the last pamphlet the life that will condemn him to hell-fire.

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013 Tel. 4611128 Fax: 11-4697333

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

اکتوبر ۱۹۹۶، شمارہ ۲۳۸

فہرست	صفحہ	فہرست	صفحہ
امتِ وسط	۴	غیر اسلامی فعل	۱۲
صبر و تقویٰ	۵	باشعور افراد	۱۳
کامیابی کی شرط	۶	اتحاد کی شرط	۱۵
توبہ کا کرشمہ	۷	عزیمت کیا ہے	۱۷
تیار ذہن	۸	بھائی اور بہن	۱۹
فیصلہ کیجئے	۹	ایک اقتباس	۲۲
کامل تباہی	۱۰	سفرنامہ برطانیہ ۔ ۴	۲۳
منصوبۂ تخلیق	۱۱	خبرنامہ اسلامی مرکز ۔ ۱۱۵	۴۷

AL-RISALA (Urdu)

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013, Tel. 4611128, 4611131 Fax: 91-11-4697333

Single copy Rs. 7, Annual subscription Rs. 70, Abroad: $ 20 (Air mail), $ 10 (Surface mail)

Printed and published by Saniyasnain Khan at Nice Printing Press, Delhi

Distributed in UK and USA by:

IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 7117, Fax: 0121-773 7771

MAKTABA AL-RISALA
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel. 718-2583435

امت وسط

قرآن میں امت محمدی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنا دیا تاکہ تم لوگوں کے اوپر گواہ بنو اور رسولؐ تمہارے اوپر گواہ ہو (البقرہ ۱۴۳)

وسط کے معنی بیچ کے ہیں۔ یعنی وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان ہو (وسط الشیئ ما بین طرفیہ)۔ مثلاً عربی میں کہا جاتا ہے کہ قبضتُ وسطَ الحبلِ (میں نے رسی کے بیچ میں پکڑا) یا جلستُ وسطَ القوم (میں لوگوں کے درمیان میں بیٹھا) اموی حاکم حجاج بن یوسف نے کوفہ اور بصرہ کے بیچ میں ایک شہر بسایا تھا۔ اسی لیے اس کو واسط کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ وہ ایک ایسا مقام تھا جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع تھا (سموہ واسطا لانہ مکان وسطٌ بین البصرۃ والکوفۃ) لسان العرب ۷/۴۲۶-۴۳۲

الطبری نے نقل کیا ہے کہ وسط سے مراد وہ چیز ہے جو دو کناروں کے بیچ میں ہو (الذی ہو بین الطرفین) ابن زید نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری قوموں کے درمیان ہے (ہم وسط بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین الامم) تفسیر طبری ۲/۶-۸

یہ آیت کوئی فضیلت یا اعزاز کی آیت نہیں ہے۔ وہ امت مسلمہ کی دعوتی ذمہ داری کو بتاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد یہ امت رسولؐ اور ہم اپنی ہم عصر قوموں کے درمیان ہے۔ اس کو رسولؐ سے لے کر دوسری قوموں تک پہنچانا ہے۔ دعوتی عمل میں اس کو درمیانی ذریعہ کا کردار ادا کرنا ہے۔

یہ ایک بے حد نازک کام ہے۔ کیوں کہ یہ گویا اہل عالم کے سامنے خدا کے رسولؐ کی نمائندگی ہے۔ ایک طرف امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پہنچانے کا یہ کام ضرور کرے۔ اگر اس نے نہیں پہنچایا تو یہ اس کے حق میں ایک ناقابل معافی کوتاہی ہوگی۔ دوسری طرف اس کام میں انتہائی احتیاط برتنا ہے۔ یعنی دوسروں تک عین وہی بات پہنچانا ہے جو رسولؐ کی بات ہے، اس میں کسی بھی قسم کا انحراف اس کے لیے جائز نہیں۔

امت محمدی کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اپنی زندگی کو دین دار بنائے۔ اس کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ درمیانی کردار ادا کرتے ہوئے دوسروں کو دین کی دعوت دے۔

صبر و تقویٰ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کی ہے (الذاریات ۴۹) یہ فطرت کا ایک آفاقی اصول ہے۔ یہاں جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے وہ دو چیزوں کے تعامل سے رونما ہوتا ہے۔ کوئی بھی چیز تنہا اس دنیا میں کوئی واقعہ یا نتیجہ ظاہر نہیں کر سکتی۔

اس اصول کا تعلق اجتماعی زندگی سے بھی ہے۔ اسی کو ایک پرانی مثل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ ایک آدمی اپنا ہاتھ فضا میں ہلا رہا ہے تو اس سے تالی نہیں بجے گی۔ تالی بجنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا ہاتھ اس سے ٹکرائے۔ جب تک دوسرا ہاتھ نہ اٹھے تالی کا بجنا بھی رکا رہے گا۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف کی ضرر رسانی کا معاملہ بھی یہی ہے۔ مخالف کی ضرر رسانی کا ارادہ اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب کہ فریق ثانی بھی اپنی نادانی یا سادہ لوحی سے اس کے ساتھ تعاون کا معاملہ کر بیٹھے۔ فریق ثانی اگر "دوسرا ہاتھ" بننے سے رک جائے تو دشمن کی مخالفانہ تالی بھی بجنے والی نہیں۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کو اہل اسلام سے سخت بغض اور عداوت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ :

اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو ان کی کوئی تدبیر تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گی۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔

وإن تصبروا وتتقوا لا يضركم كيدهم شيئا إن الله بما يعملون محيط (آل عمران ۱۲۰)

اس آیت کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ —— دشمن کی سازش صرف ۵۰ فی صد کی حد تک کارگر ہے۔ وہ اپنی تکمیل تک صرف اس وقت پہنچتی ہے جب کہ فریق ثانی اپنی کسی غلطی سے اس کے منصوبہ کا بقیہ ۵۰ فی صد حصہ پورا کر دے۔ صبر و تقویٰ اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کے منصوبہ کا یہ بقیہ نصف حصہ دشمن کو حاصل نہ ہو۔ جب ایسا ہو گا تو اس کی مخالفانہ تدبیر لازمی طور پر بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔

اس قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملہ کو خود آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

کامیابی کی شرط

ایک شخص رات کے وقت سیڑھی سے نیچے اتر رہا تھا۔ اگرچہ وہ ایک بینا آدمی تھا۔ مگر سیڑھی پر روشنی نہ تھی۔ سیڑھی کا ایک زینہ کسی قدر ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کو نہ دیکھنے کی وجہ سے اس پر ٹھیک سے اپنا قدم نہ جما سکا۔ اور پھسل کر گر گیا۔

دوسرا شخص سڑک پر چل رہا تھا۔ دن کا وقت تھا۔ مگر چلنے والا اندھا تھا۔ سڑک کے ایک کنارے مین ہول کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔ وہ اندھا ہونے کی وجہ سے اس کو نہ دیکھ سکا۔ اور اس کا پاؤں گڑھے میں چلا گیا۔

اس دنیا میں راستہ طے کرنے کے لیے بیک وقت دو چیزوں کی ضرورت ہے ——— آنکھ اور روشنی۔ اگر آنکھ ہو مگر روشنی نہ ہو، یا روشنی ہو مگر آنکھ نہ ہو، دونوں صورتوں میں انجام ایک ہوگا آدمی گڑھے میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ وہ محفوظ طور پر اپنا راستہ طے نہیں کر سکتا۔

یہی معاملہ پوری انسانی زندگی کا ہے۔ زندگی میں کامیابی کے لیے بھی وہی اصول ہے جو ذکر دونوں واقعہ میں نظر آتا ہے۔ یعنی بیک وقت بینائی اور روشنی دونوں چیزوں کا حامل ہونا۔

ایک قوم ہے۔ اس کے افراد اللہ کا دیا ہوا دماغ رکھتے ہیں، مگر ان کے پاس علم نہیں، ایسی حالت میں گویا کہ ان کے پاس آنکھ ہے مگر روشنی نہیں۔ ایسے لوگ آنکھ رکھتے ہوئے بھی زندگی کے راستوں میں بھٹکتے رہیں گے۔

اسی طرح ایک قوم ہے۔ اس کے افراد تعلیم یافتہ ہیں، مگر ان کا ذہن بگڑا ہوا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نفرت اور جھنجلاہٹ کے جذبات بھرے ہوئے ہیں۔ ایسی قوم کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کے پاس روشنی ہے مگر وہ آنکھ سے محروم ہے۔ یہ لوگ بھی کامیابی کے ساتھ زندگی کا راستہ طے نہیں کر سکتے۔ کسی نہ کسی موڑ پر وہ ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گے۔

کسی قوم کی ترقی کے معاملہ میں یہی جڑ کی بات ہے۔ جو لوگ قوم کو اٹھانا چاہتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ یہاں محنت کریں، کسی اور میدان میں تقریریں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہی اس دنیا میں کامیابی کا واحد راز ہے۔

توبہ کا کرشمہ

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ــــــ مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (الفرقان ۷۰) سیئات کا حسنات بن جانا کوئی پُراسرار واقعہ نہیں، یہ ایک معلوم نفسیاتی حقیقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک شخص جس کے اندر انسانی جوہر موجود ہو، اس سے جب برائی کا کوئی فعل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا ضمیر نہایت شدت کے ساتھ جاگ اٹھتا ہے۔ اس کی روح آخری حد تک تڑپ اٹھتی ہے۔ اس طرح اس کی برائی اس کے لیے بھلائی کا محرک بن جاتی ہے۔ ماضی کی غلطی کو نہ دہرانے کا احساس اس کے مستقبل کو شاندار طور پر درست کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس نفسیاتی معاملہ کی ایک نہایت واضح مثال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی میں پائی جاتی ہے۔

۹۳ھ میں عمر بن عبدالعزیز اموی حکومت کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ ان کو دمشق سے خلیفہ الولید کی یہ تحریری ہدایت ملی کہ خُبیب بن عبداللہ بن الزبیر کو پچاس کوڑے مارو اور سخت جاڑے کے موسم میں ان کے سر پر ٹھنڈا پانی بہاؤ اور ان کو مسجد کے دروازہ پر کھڑا کر دو۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس حکم پر عمل کیا۔ اسی دن خُبیب کا انتقال ہو گیا۔ خبیب کی موت کے بعد عمر بن عبدالعزیز کو خوف خدا کا شدید احساس ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے کو غیر مامون سمجھنے لگے۔ ان کا حال یہ ہو گیا کہ اگر ان کو ان کے کسی کارِ خیر پر آخرت کے انعام کی بشارت دی جاتی تو وہ کہہ اٹھتے کہ کیوں کر ایسا ہو سکتا ہے جب کہ خبیب میرے راستہ میں ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ کہتے کہ ایسا تو جب ہو گا جب کہ خبیب میرے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ پھر وہ اس عورت کی طرح چیخ پڑتے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔ جب ان کی تعریف کی جاتی تو وہ کہتے کہ اگر میں خبیب سے بچ گیا تو میں بھلائی پر ہوں۔ اس واقعہ کے بعد وہ آخر عمر تک غم اور خوف میں مبتلا رہے۔ انھوں نے عبادت اور گریہ وزاری کی انتہا کر دی۔ (البدایہ والنہایہ ۹/۸۷)

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ ان کی طرف سے ایک لغزش تھی۔ مگر اس کے سبب سے ان کو بہت بھلائی ملی۔ یعنی عبادت اور گریہ وزاری اور غم اور خوف اور احسان اور عدل اور صدقہ اور نیکی اور غلاموں کو آزاد کرنا، وغیرہ۔

تیار ذہن

پاسچر (Louis Pasteur) دور جدید کا ایک ممتاز سائنس داں ہے۔ وہ ۱۸۲۲ء میں فرانس میں پیدا ہوا، اور ۱۸۹۵ء میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ علمی تیاری پر بہت زور دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ خوش قسمتی صرف ایک تیار ذہن کے حصہ میں آتی ہے:

Fortune favours a prepared mind.

اس قول میں ایک فطری حقیقت بیان کی گئی ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ اور دنیا کے ہر معاملہ سے ہے۔ سائنس کے میدان میں جس آدمی نے بھی کوئی ڈسکوری (دریافت) کی ہے، وہ وہی شخص ہے جو وسیع مطالعہ اور لمبے تجربہ کے نتیجہ میں اس قابل ہو چکا تھا مذکورہ دریافت کی علامتیں جب ظاہر ہوں تو وہ فوراً اس کو پہچان لے اور اس پر مزید تحقیق کرکے اس کو ایک مکمل فارمولا کی حیثیت دے سکے۔

اسی طرح معاشی ترقی کے میدان میں کوئی بڑی کامیابی اسی آدمی کو حاصل ہوتی ہے جو پہلے سے اس کے لیے ضروری تیاری کر چکا ہو۔ معاشی ترقی کے مواقع بار بار آتے ہیں۔ مگر اس سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو پہلے سے اس معاملہ کی پوری معلومات رکھتا ہو اور پیش آمدہ موقع کو استعمال کرنے کی ضروری صلاحیت بھی اپنے اندر پیدا کر چکا ہو۔

ٹھیک یہی معاملہ دینی معرفت کا بھی ہے۔ خدا کی طرف سے ہر آن حکمت و معرفت کی بارش ہو رہی ہے مگر اس میں حصہ صرف اسی شخص کو ملتا ہے جو اپنے سینہ میں اس کا برتن فراہم کر چکا ہو۔

کائنات میں خدا کی تجلیات بکھری ہوئی ہیں مگر ان تجلیات کا مشاہدہ صرف وہ شخص کرپاتا ہے جو پہلے سے اپنے اندر تدبر و تفکر کا مزاج بنا چکا ہو۔ دنیا عبرتوں اور نصیحتوں سے بھر دی گئی ہے مگر کسی چیز سے عبرت اور نصیحت کا رزق لینے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اندر توسم (الحجر ۷۵) کی صلاحیت پیدا کر چکا ہو۔ مناظر فطرت میں ہر طرف خدا کی عظمتیں نمایاں ہیں مگر ان عظمتوں کو محسوس کرکے تڑپ اٹھنا صرف اس انسان کے لیے مقدر ہے جو اپنی بڑائی کے ہر احساس سے اپنے ذہن کو خالی کر چکا ہو۔ یہی معاملہ ان تمام تجربات کا ہے جس کو معرفت کہا جاتا ہے۔

فیصلہ کیجئے

نطشے (F.W. Nietzche) ایک مشہور جرمن فلسفی ہے۔ وہ ۱۸۴۴ میں پیدا ہوا، اور ۱۹۰۰ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے اپنا ایک احساس اس طرح تحریر کیا ہے ——— گہری تہہ پر ہر آدمی خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ایک انوکھی شخصیت ہے، وہ صرف ایک بار اس دنیا میں آیا ہے۔ اور کسی بھی غیر معمولی اتفاق کی بنا پر اس کے جیسا معجزاتی قسم کا متنوع انسان یہاں آنے کا دوسرا موقع نہیں پاسکتا:

> At bottom every man knows well enough that he is a unique being, only once on this earth; and by no extraordinary chance will such a marvelously picturesque piece of diversity in unity as he is, ever be put together a second time. (*The book of Success*, p. 33)

انسان کتنا زیادہ قیمتی وجود ہے۔ مگر اس وقت وہ انتہائی بے قیمت معلوم ہونے لگتا ہے جب کہ یہ دیکھا جائے کہ انسان پیدا ہونے کے بعد صرف تھوڑی مدت کے لیے زمین پر ٹھہرتا ہے اور اس کے بعد اس طرح یہاں سے چلا جاتا ہے کہ پھر وہ دوبارہ اس زمین پر واپس نہیں آتا۔

یہ فلسفیانہ نقطۂ نظر ہے۔ مگر اس معاملہ کو جب مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ساری تصویر بدل جاتی ہے۔ اب انسان کے لیے یہ دروازہ کھل جاتا ہے کہ موجودہ دنیا میں وہ اپنے آپ کو بہتر انسان ثابت کرے۔ اور اس کے نتیجہ میں وہ اگلی دنیا میں شاندار تر انداز میں اپنے لیے ابدی زندگی حاصل کرے۔

فلسفیانہ نقطۂ نظر میں انسان کے لیے مایوسی اور تاریکی ہے۔ اس کے برعکس مذہبی نقطۂ نظر میں انسان کے لیے امید اور روشنی ہے۔ یہی فرق یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مذہبی نقطۂ نظر درست ہے، اور فلسفیانہ نقطۂ نظر صرف بے بنیاد قیاس آرائی۔

انسان بلاشبہہ حیرت ناک حد تک ایک قیمتی وجود ہے۔ مگر بیشتر انسان اپنی قیمتی صلاحیتوں کو وقتی تماشوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر پاتے۔ انسان مقام اعلیٰ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو مقام اسفل میں گرا لیتا ہے۔

کامل تباہی

ریمنڈ گرام سونگ (Raymond Gram Swing) کا ایک قول ہے۔ اس نے کہا کہ امن کا بدل جنگ نہیں ہے، امن کا بدل ہلاکت ہے :

The alternative to peace is not war.
It is annihilation.

یہ بات پچھلے زمانوں میں بھی صحیح تھی، مگر آج تو وہ آخری حد تک درست اور صحیح ہو چکی ہے۔ جدید ہتھیاروں نے اب اس کو بالکل ناممکن بنا دیا ہے کہ جنگ کے ذریعہ کوئی شخص یا قوم کوئی مثبت نتیجہ حاصل کرے۔ اب جو لوگ جنگ کا انتخاب کریں انھیں پیشگی طور پر جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے لیے صرف موت کا انتخاب کر رہے ہیں نہ کہ زندگی اور ترقی کا۔

اگر آپ کسی مسئلہ سے دوچار ہیں تو صبر اور تحمل کے ساتھ اس کے ساتھ نباہ کیجئے، اور جو بھی کوشش کیجئے، لازمی طور پر امن کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیجئے۔ اس کے بجائے اگر آپ نے جنگ اور ٹکراؤ کا راستہ اختیار کیا تو آپ اپنے مسئلہ کو ختم کرنے میں کامیاب تو نہیں ہوں گے البتہ اپنے آپ کو مزید ناقابل حل مسائل اور ناقابل تلافی ہلاکت میں مبتلا کر لیں گے۔

مسئلہ آپ کے خیال کے مطابق، خواہ کتنا ہی گمبھیر ہو، آپ کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ آپ کے لیے انتخاب صرف دو چیزوں میں ہے۔ یا تو صورت موجودہ کو گوارا کرتے ہوئے پرامن دائرہ میں اپنی کوشش جاری کیجئے، یا لڑ بھڑ کر اپنے کو ہلاک کر لیجئے۔ اس کے سوا دوسری کوئی ممکن صورت سرے سے آپ کے لیے موجود ہی نہیں۔

قدیم زمانہ میں جنگ کسی مسئلہ کو حل کرنے کا وسیلہ ہو سکتی تھی، مگر موجودہ زمانہ میں جنگ خود سب سے بڑا مسئلہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن چکی ہے۔ موجودہ زمانہ کی جنگ جو عمومی تباہی لاتی ہے وہ تمام تباہیوں سے زیادہ بڑی تباہی ہے۔ اس لیے اب آدمی کو صرف دو میں سے ایک کام کرنا ہے۔ یا تو وہ پرامن دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی کوشش انجام دے، یا پھر خاموشی کا طریقہ اختیار کر لے۔

منصوبۂ تخلیق

قرآن گویا خدا کے تخلیقی منصوبہ کا اعلان ہے۔ قرآن کے ذریعہ خالق نے تمام انسانوں کو بتایا ہے کہ وہ کس خاص منصوبہ کے تحت زمین پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اور فکر و عمل کا وہ کون سا طریقہ ہے جس کو انھیں اپنی کامیابی کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ یہ منصوبہ قرآن میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک آیت یہ ہے: اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے، اور وہ عزیز و غفور ہے (الملک ۲)

قرآن کے اس بیان کے مطابق، تخلیق کا کلیدی نکتہ ابتلاء (امتحان) ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت اعلیٰ اور معیاری دنیا بنائی جس کا نام جنت ہے۔ یہ جنت ابدی راحت اور ابدی سرفرازی کی جگہ ہے۔ موجودہ دنیا کی زندگی اس جنت میں داخلہ کا ایک امتحانی مرحلہ ہے۔ جو آدمی یہاں کا مقرر امتحان پاس کر لے اس کے لیے موت کے بعد ابدی جنتوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

یہ امتحان کس بات کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ غیب میں رہتے ہوئے آدمی اپنے خدا کو پہچانے اور اپنے دل و دماغ میں اس کو سب سے اونچی جگہ دے۔ وہ اپنے قول و عمل پر خود اپنے فیصلہ سے خدا کی لگام لگائے۔ بظاہر با اختیار رہتے ہوئے وہ اپنے آپ کو خدا کے مقابلہ میں بے اختیار بنا لے۔ وہ خدا کی اس تقسیم پر راضی ہو جائے کہ موجودہ دنیا اس کے لیے ذمہ داریاں ادا کرنے کی جگہ ہے، اور آخرت کی دنیا حقوق اور انعام حاصل کرنے کی جگہ۔

جنت میں داخلہ کا ٹکٹ اس انسان کو دیا جائے گا جو جنت کو دیکھے بغیر جنت کی معرفت حاصل کر لے۔ وہ آخرت کی نعمتوں کی خاطر دنیا کی نعمتوں سے بے رغبت ہو جائے۔ وہ آزادی رکھتے ہوئے اپنے آپ کو پابند بنا لے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کو دبائے اور اپنی ضمیر کی آواز کو اپنا رہنما بنائے۔ وہ بے اصولی کی زندگی کو چھوڑ کر ایک با اصول انسان جیسی زندگی اختیار کرے۔

جو لوگ اس امتحان میں پورے اتریں ان کے لیے خدا کے ابدی انعامات ہیں۔ اور جو لوگ اس میں پورے نہ اتریں ان کے لیے خدا کے یہاں نہ رحمت ہے اور نہ انعام۔

غیر اسلامی فعل

اصول فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے جس کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے: دَرْءُ المفسدۃ مقَدَّمٌ علی جلبِ المصلحۃ۔ یعنی خرابی کو دور کرنا بہتری کے حصول پر مقدم ہے۔ اکثر حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ مصلحت کے حصول کے لئے کی جانے والی ایک کارروائی اپنے عملی نتیجہ کے اعتبار سے خرابی میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ مذکورہ شرعی اصول اسی نقصان سے بچنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق، ایسے حالات میں مصلحت کو حاصل کرنے کے لئے اقدام نہ کرنا ہی سب سے بڑی شرعی مصلحت ہوتی ہے۔

موجودہ دنیا ایک ایسی دنیا ہے جہاں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے۔ یہاں جس طرح اہل حق کو مواقع حاصل ہیں اسی طرح اہل باطل کو بھی یہاں مواقع حاصل ہیں۔ یہ مواقع خود خدا کی طرف سے دئے گئے ہیں۔ اس لئے کسی بھی شخص یا گروہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے مخالفین سے عمل کے مواقع چھین لے۔

ایسی حالت میں فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ جب آپ کوئی اقدام کریں تو صرف یہ نہ دیکھیں کہ آپ جو اقدام کرنے جارہے ہیں وہ بظاہر ایک صحیح اقدام ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ لازمی طور پر اس کا بھی جائزہ لیں کہ جب آپ اپنا اقدام کریں گے تو دوسرے لوگوں کا رد عمل کیا ہوگا۔ اگر حالات بتاتے ہوں کہ دوسرے لوگ اس پوزیشن میں ہیں کہ آپ کے اقدام کو آپ کے اوپر الٹ دیں اور آپ کو مزید مشکلات سے دوچار کریں، تو ایسی حالت میں اقدام کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اقدام نہ کیا جائے۔

مثال کے طور پر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کے قتل کا جو فتوی دیا گیا، اس کے نتیجہ میں وہ لوگ قتل تو نہیں ہوئے۔ البتہ معاندین نے اس کو استعمال کر کے ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کر دیا۔ بابری مسجد کے لئے جو دھواں دھار تحریک چلائی گئی وہ مسجد کو بچانے کا ذریعہ تو نہیں بنی البتہ مسلمانوں کی عزت اور جان ومال کی تباہی کا سبب بن گئی۔ وغیرہ۔ اسلامی اقدام وہی ہے جو نتیجہ خیز ہو، جو حالات کو بہتر بنائے۔ اس کے برعکس جو اقدام بے نتیجہ ہو، اور حالات کو مزید ابتر کرنے کا ذریعہ بن جائے، وہ اسلامی عمل نہیں ہے۔ وہ نادانی کی اچھل کود ہے جس کا خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں، خواہ بظاہر اس کو اسلام کے نام پر کیا گیا ہو۔

باشعور افراد

عبد اللہ بن اُبی قدیم مدینہ کا سب سے بڑا سردار تھا۔ حتی کہ مدینہ کے باشندے اِس پر متفق ہو گئے تھے کہ اُس کو اپنا بادشاہ بنالیں۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آگئے تو آپ ہی کو مدینہ کے لوگوں نے بڑا مان لیا۔ مدینہ میں ابتداءً مہاجرین اقلیت میں تھے۔ مگر مختلف مقامات سے لوگ ہجرت کرکے آتے رہے، یہاں تک کہ مدینہ میں مہاجرین کی اکثریت ہوگئی اور انصار اقلیت میں ہو گئے جن کا عبد اللہ بن ابی سردار چلا آرہا تھا (تفسیر ابن کثیر ۴/۳۷۰)

ان باتوں کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین سے سخت بغض ہو گیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح آپؐ کو اور مہاجرین کو مطعون کرتا اور انھیں نیچا دکھانے کی کوشش کرتا۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق میں عبد اللہ بن اُبی اپنے قبیلہ کے بہت سے لوگوں کے ساتھ تھا۔ راستہ میں ایک واقعہ سے فائدہ اٹھا کر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے خلاف دشنام طرازی کی۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ ہم لوگ مدینہ کے عزت والے لوگ ہیں۔ اگر ہم مدینہ پہنچ جائیں تو ہم لوگ اپنے شہر سے ان ذلت والوں کو نکال دیں گے (المنافقون ۸)

یہ ایک لمبا قصہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قافلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت ایک نہایت غیر معمولی واقعہ ہوا جو راوی کے الفاظ میں یہ تھا :

ان ابنہ عبد اللہ وقف لابیہ عبد اللہ بن ابی بن سلول عند مضیق المدینۃ فقال قِف فواللہ لاتدخلہا حتی یأذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک۔ فلما جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استأذنہ فی ذلک فأذن لہ

اس کے لڑکے عبد اللہؓ اپنے باپ عبد اللہ بن اُبی بن سلول کے لیے مدینہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ عبد اللہ بن اُبی وہاں پہنچا تو انھوں نے کہا کہ ٹھہرو، خدا کی قسم تم شہر میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت دے دیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو عبد اللہ بن اُبی نے آپ سے اجازت مانگی۔ آپ

فارسله حتی دخل المدینۃ نے اس کو اجازت دے دی۔ اس کے بعد عبداللہ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مدینہ میں داخل ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۱۵۸)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ صحابہ کرام اتنے دانش مند لوگ تھے کہ وہ بتائے بغیر باتوں کو جان لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں کہا تھا۔ انھوں نے بطور خود یہ جان لیا کہ اس موقع پر انھیں کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اس وقت موزوں ترین بات یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی کے سامنے اس کا عملی مظاہرہ ہو جائے کہ اب مدینہ کے بڑے تم نہیں ہو، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بڑے اور مدینہ کے سردار ہیں۔

حضرت عبداللہ نے اس بات کے مظاہرہ کا انتہائی بروقت اور صحیح طریقہ اختیار کیا۔ اس کام کو کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی کا بیٹا اسے انجام دے۔ حضرت عبداللہ نے اس حقیقت کو سمجھا اور عین وقت پر وہ مطلوبہ کردار ادا کیا جو اس موقع پر انھیں ادا کرنا چاہیے تھا۔

کسی مشن کی کامیابی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس کو باشعور افراد کی ایک ٹیم مل جائے، اس طرح کی باصلاحیت ٹیم کے بغیر کوئی بھی مشن کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس ٹیم کے افراد میں دو صفت لازمی طور پر ہونا چاہیے۔ ایک یہ کہ اس کا ہر فرد اطاعت گزار ہو۔ اس سے جو کچھ کہا جائے وہ ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔ وہ کسی عذر کو عذر نہ بنائے، خواہ وہ ذاتی عذر ہو یا خارجی عذر۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اس ٹیم کے افراد اتنے باشعور ہوں کہ وہ کہے بغیر باتوں کو جان لیں۔ وہ بتائے بغیر صورت حال کو سمجھ لیں۔

اس دوسری صفت کی اہمیت یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں بہت سی باتیں بتائی نہیں جا سکتیں۔ جب مشن پھیلتا ہے اور نئے نئے تقاضے سامنے آتے ہیں تو یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ لوگوں کو ساری ضروری باتیں بتا دی جائیں۔ ایسے وقت میں قابل عمل صورت صرف یہ ہوتی ہے کہ آدمی خود اپنی عقل سے باتوں کی گہرائی کو سمجھے، وہ خود ہر موقع پر اس کے موافق ضروری اقدام کر سکے۔ کوئی بھی دوسری چیز اس شعوری پختگی کا بدل نہیں بن سکتی۔

اتحاد کی شرط

خلیفہ چہارم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت ٹوٹ گئی اور لوگوں میں کثرت سے اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس وقت ایک شخص نے حضرت علی سے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا معاملہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں لوگ اختلافات میں پڑ گئے ہیں، جب کہ ابوبکر و عمر کے زمانہ میں یہ اختلافات نہ تھے۔ حضرت علی نے جواب دیا: لان ابابکرٍ وعمرَ کانا والیَین علی مثلی و انا الیوم والٍ علی مثلک (یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ ابوبکر و عمر میرے جیسے لوگوں کے اوپر حکمراں تھے، اور میں تمہارے جیسے لوگوں کے اوپر حکمراں ہوں۔

ابن خلدون نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دینی حکومت کے قیام کے لئے اس کے مطابق دینی رجحان (الوازع الدینی) کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر معاشرہ کی سطح پر غالب دینی رجحان موجود نہ ہو تو محض حاکم کے اسلامی ہونے سے کامیاب اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے اس جواب میں آپ کا اشارہ اسی دینی محرک اور رجحان کی طرف تھا۔ المامون کو دیکھو۔ جب اس نے علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کیا اور ان کو الرضا کا لقب دیا تو کس طرح عباسیوں نے اس پر شدید ناگواری ظاہر کی۔ انھوں نے ان کی بیعت کو توڑ کر المامون کے چچا ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اس کے ردعمل میں ایسا اختلاف پیدا ہوا۔ اور بغاوت پر آمادہ شورش پسند گروہوں کی ایسی کثرت ہوگئی کہ قریب تھا کہ پورا حکومتی نظام کالعدم ہو جائے۔ یہاں تک کہ المامون پیش قدمی کرکے خراسان سے بغداد پہنچا اور علی الرضا کی ولی عہدی کو منسوخ کرکے اپنے خاندانی شخص کو ولی عہد نامزد کیا۔

ابن خلدون نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ خلفاء راشدین ایسے زمانہ میں تھے جب کہ ملوکیت کا مزاج ابھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور معاشرہ پر دینی محرک اور رجحان کا غلبہ تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے اندرونی محرک کے تحت صرف ایسے ہی فرد کو خلافت کی ذمہ داری سونپی جو دینی اعتبار سے قابل قبول تھا اور اس کو دوسرے کے اوپر ترجیح دی۔ اس کے علاوہ

دوسرے افراد جن کی نگاہیں خلافت کی طرف اٹھ رہی تھیں انھیں ان کے اپنے رجحان اور محرک کے حوالہ کر دیا۔

تاہم اس کے بعد حضرت معاویہ کے زمانہ سے عصبیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اقتدار پر اسی مزاج کا تسلط ہو گیا۔ دینی رجحان کمزور پڑ گیا۔ اس کی جگہ ملوکیت اور گروہی رجحان کی ضرورت کا احساس بڑھ گیا۔ چنانچہ اگر ایسے شخص کو اقتدار سونپا جائے جو گروہی عصبیت کے اعتبار سے ناقابل قبول ہو تو اس کو رد کر دیا جاتا، تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی حکومت انتشار کا شکار ہو جاتی اور جماعت میں اختلاف پڑ جاتا۔ جیسا کہ بعد کے زمانہ میں پیش آیا۔ (مقدمہ ابن خلدون، صفحہ ۲۱۱)

دور اول کا یہ تجربہ بتاتا ہے کہ ملت میں اتحاد کس طرح آتا ہے، اور کن اسباب سے وہ ختم ہو جاتا ہے، وہ ہے، ابن خلدون کے الفاظ میں، وازع دینی کا ہونا یا نہ ہونا۔ گویا اتحاد کبھی اتحاد کی اپیلیں کرنے سے نہیں آتا، بلکہ اس وقت آتا ہے جب کہ پورے معاشرہ میں اس کے موافق غالب دینی رجحان موجود ہو۔

اتحاد ملت کا کام دراصل اصلاح ملت سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ معاشرہ میں دینی فضا پیدا کی جائے۔ لوگوں کو اس اعتبار سے باشعور بنایا جائے کہ تمھیں آخرت میں اپنے قول وعمل کا حساب اللہ تعالیٰ کو دینا ہے۔ لوگوں میں گہری آخرت پسندی پیدا کی جائے تاکہ وہ آخرت کے فائدے کے لئے دنیوی نقصان کو برداشت کر سکیں۔ لوگوں کو اسلام کے بارہ میں اس حد تک ایجوکیٹ کیا جائے کہ جب خدا اور رسول کا حکم سامنے آجائے تو وہ اپنی گردن جھکا دیں، خواہ وہ ان کے ذوق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ان میں یہ مزاج ہو کہ اللہ کی خاطر وہ اختلاف کے باوجود متحد ہو جائیں۔

کسی گروہ میں اتحاد پیدا ہونا کوئی سادہ بات نہیں۔ اتحاد ہمیشہ زیر اتحاد افراد کی قربانیوں سے قائم ہوتا ہے۔ رائے کی قربانی، مفادات کی قربانی، اپنے کو پیچھے کر لینے کی قربانی، اپنے اختلاف کو ختم کرنے کی قربانی۔ الفاظ رکھتے ہوئے چپ ہو جانے کی قربانی۔ اس لئے پہلے ذہن بنایا جاتا ہے، اس کے بعد اتحاد قائم ہوتا ہے۔

عزیمت کیا ہے

عزیمت کے لفظی معنی پختہ ارادہ کے ہیں۔ اللیث لغوی نے کہا : العزم ما عقد علیہ قلبک من امرٍ انّک فاعلہ (لسان العرب ۱۲/۳۹۹) عزیمت مومن صادق کی پہچان ہے۔ یہ اہل حق کی ایک نہایت اہم خصوصیت ہے۔ قرآن میں اللہ کے پیغمبروں کو اولوا العزم (الاحقاف ۳۵) کہا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں عزیمت کو جنگ اور ٹکراؤ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جنگی کارنامہ دکھانے والے شخص کو صاحب عزیمت سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس نظریہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن میں صبر اور تقویٰ اور عفو و درگزر کی روش پر قائم ہونے کو عزیمت کہا گیا ہے (آل عمران ۱۸۶، الشوریٰ ۴۳) حدیث میں ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے رشد پر عزیمت کی دعا کرتا ہوں (واسألک عزیمۃ الرشد)

پچھلی چند صدیوں سے مسلسل جس چیز سے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے، وہ یہی عزیمت کا غلط تصور ہے۔ مسلمان صدیوں سے انتہائی بے فائدہ قسم کے ٹکراؤ میں مشغول ہیں۔ اس تباہ کن روش کو اسلامی عزیمت قرار دے کر اس کو خوب گلوریفائی کیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اب یہ حال ہو چکا ہے کہ جو آدمی اقتدار وقت سے ٹکراؤ کرے وہ فوراً قوم کے اندر ہیرو بن جاتا ہے۔ اور جو آدمی صبر اور اعراض کی روش اختیار کرنے کی تلقین کرے وہ اس کے برعکس زیرو کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

اس غیر اسلامی اور غیر عقلی روش نے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو بے حساب نقصان پہنچایا ہے۔ وہ تمام تباہیاں جن کو ہمارا لکھنے اور بولنے والا طبقہ دشمنان اسلام کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہے، وہ سب کی سب بلاشبہ اسی غلط تصور اسلام کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ اس غلط روش کا یہ اندوہناک نتیجہ ہوا کہ دور جدید کی مسلم نسلوں میں اسلامی تفکیر کا نشوونما بالکل رک گیا۔ تفکیر صحیح ہمیشہ مبنی بر حقیقت سوچ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر عزیمت کے مذکورہ بالا تصور نے اسلامی فکر کو حقیقت سے منقطع کر دیا۔ حقیقت الگ ہو گئی اور اسلامی سوچ الگ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تاکیدی ہدایت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ حکمرانوں میں خواہ بگاڑ آ جائے مگر تم ان سے ٹکراؤ نہ کرنا۔ حکومتی بگاڑ سے براہ راست تعرض کیے بغیر تم دوسرے تعمیری اور اصلاحی شعبوں میں اپنی کوششیں جاری رکھنا۔ چنانچہ ان واضح ہدایات کی بنا پر علماء اسلام

نے اس پر اتفاق کر لیا کہ مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا حرام ہے، خواہ وہ بظاہر فاسق اور ظالم کیوں نہ ہو گئے ہوں۔

اس واضح اسلامی اصول کے باوجود مسلمانوں کا رہنما طبقہ صدیوں سے حکومتوں سے ٹکراؤ کرنے میں مصروف ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے عمل کی توجیہہ کرتا ہے۔ ان بنا پر ان مسلمانوں کے لیے اپنے عمل کی توجیہہ کرنا بھی ضروری تھا۔ وہ حقیقی دلائل کے ساتھ اپنے عمل کو جائز ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے لیے ایک ہی ممکن راستہ تھا۔ اور وہ غلط استدلال تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی پوری تفکیر غلط استدلال پر قائم کر دی۔

موجودہ زمانہ میں جو بے فائدہ جنگی کارروائیاں کی گئیں، ان سب کے لیے عزیمت کے لفظ سے جواز فراہم کیا گیا ہے۔ مگر یہ ایک غلط انتساب تھا، اسی لیے امت کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ملا۔ اس نے صرف امت کی تباہی میں اضافہ کیا۔ اس کے برعکس اگر عزیمت کو صابرانہ عزیمت کے مفہوم میں لیا جاتا تو اس کا زبردست فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہوتا۔ جیسا کہ دور اول میں اسی قسم کی عزیمت کے ذریعہ اہل اسلام کو حاصل ہوا تھا۔

اگر لوگوں میں صابرانہ عزیمت کا مزاج ہوتا تو وہ نقصان اٹھانے کے باوجود منفی نفسیات میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے استحکام نو کی تدبیر کرتے۔ وہ مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے مواقع کو استعمال کرتے۔ وہ غیر ضروری طور پر وقار کی جنگ چھیڑنے کے بجائے حکمت کی روش اختیار کرتے۔ وہ سیاسی محرومی کو برداشت کرتے ہوئے جدید علوم کے شعبوں میں دستگاہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو لگا دیتے۔

جنگی عزیمت انھیں صرف تباہی کی طرف لے گئی۔ صابرانہ عزیمت انھیں ترقی اور استحکام کی طرف لے جاتی۔ اگر سچی عزیمت کی یہ پالیسی اختیار کی جاتی تو پہلی ہی نسل میں وہ فائدہ مل جاتا جو کئی نسلوں کی قربانی کے باوجود ابھی تک ملتا ہوا نظر نہیں آتا۔

بھائی اور بہن

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ : اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں زمین پر پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور خبردار رہو قرابت والوں سے، بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ (النساء ۱)

قرآن کی اس آیت میں اس حیاتیاتی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے سے الگ مخلوق نہیں ہیں، بلکہ دونوں ایک ہی مادہ سے بنائے گئے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے خونی بھائی اور خونی بہن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ہی وسیع تر انسانی برادری کے ارکان ہیں۔ حیاتیات کے اعتبار سے جو عورت ہے وہی مرد ہے، اور جو مرد ہے وہی عورت ہے۔

تمام انسان، خواہ وہ عورت ہو یا مرد، پیدائش کے اعتبار سے ایک ہیں۔ آخر کار ایک ہی عورت اور ایک ہی مرد سب کے ماں اور باپ ہیں جن کو حوا اور آدم کہا جاتا ہے۔

اس حقیقت کا فطری تقاضا ہے کہ ہر مرد دوسرے مرد کو اپنا بھائی سمجھے، ہر عورت دوسری عورت کے ساتھ بہن کا سا معاملہ کرے۔ تمام مرد اور تمام عورتیں اپنے اپنے دائرہ میں ایک مشترک گھرانے کے افراد کی طرح مل جل کر رہیں۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کریں۔

پھر اس وسیع انسانی برادری میں جو براہ راست رحمی رشتے ہیں ان میں نسلی اتحاد کا یہ پہلو اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ اس لئے قریبی رحمی رشتوں میں حسن سلوک کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کیوں کہ جو آدمی قریبی رشتوں میں اچھا سلوک نہ کرے وہ دور کے رشتوں میں بھی اچھا سلوک نہیں کر سکے گا۔

مردوں اور عورتوں کے درمیان اس باہمی حسن سلوک کی اہمیت صرف اخلاقی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ یہ تمام انسانوں کا خود اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔ کیوں کہ تمام عورتوں اور مردوں کے اوپر

عظیم و برتر خدا ہے۔ وہ آخر میں ہر ایک سے حساب لینے والا ہے۔ ہر ایک دنیا میں جیسا عمل کرے گا اسی کے مطابق آخرت میں اس کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس لئے ہر عورت اور ہر مرد کو چاہئے کہ کسی سے معاملہ کرتے ہوئے اس کو وہ محض ایک انسان کا معاملہ نہ سمجھے بلکہ اس کو اللہ کا معاملہ سمجھے۔ وہ اللہ کی پکڑ سے ڈرے اور قول و عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو اس روش کا پابند بنائے جو اس کو اللہ کے یہاں کامیابی دینے والی ہو۔

قرآن زمین کے اوپر ایک وسیع انسانی سماج بنانا چاہتا ہے۔ ایک ایسا سماج جس میں ہر طرف انسانی برابری کی فضا ہو، ہر طرف انسانی خیر خواہی کا ماحول ہو۔ اور وہ فضا اور ماحول ختم ہو جائے جس میں لوگ ایک دوسرے کو شک اور نفرت اور رقابت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جب لوگوں کے ذہن سے یہ حقیقت نکل جاتی ہے تو انسانی دنیا جنگل کی مانند ہو جاتی ہے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کو دشمن کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ہر ایک یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دوسری عورت یا دوسرا مرد میرے راستہ کی رکاوٹ ہے۔ اس لئے مجھے اس کو اپنے راستہ سے ہٹانا ہے۔ ہر ایک کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنا نہیں سمجھتا بلکہ وہ دوسروں کو غیر سمجھنے لگتا ہے۔ یہ سوچ جب زیادہ بڑھ جائے تو دنیا امن کے بجائے بدامنی کا گہوارہ بن جاتی ہے، یہاں پیار کے چشمے بہنا رک جاتے ہیں۔ اس کے بجائے نفرت کی گرم ہوائیں ہر طرف چلنے لگتی ہیں۔

قرآن چاہتا ہے کہ تمام عورتوں اور مردوں کو ان کی اصل حقیقت یاد دلائی جائے۔ ہر ایک کے اندر یہ ذہنی بیداری لائی جائے کہ وہ اپنی اصل سے آگاہ ہو کر اپنی سوچ کو اس کے مطابق بنالیں۔ لوگ آج بھی اسی طرح بھائی اور بہن کی طرح مل جل کر رہنے لگیں جس طرح وہ زندگی کے آغاز میں رہ رہے تھے۔

یہ ذہن جب لوگوں میں نہ رہے تو اس وقت ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کی ترقی پر آپ کو جلن ہوگی، کیوں کہ دوسرے کو آپ نے اپنا نہیں سمجھا بلکہ غیر سمجھا۔ دوسرا آگے بڑھے تو آپ چاہیں گے کہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈال کر اس کو آگے نہ بڑھنے دیں۔ ایک عورت گھر کے اندر یہ چاہے گی کہ وہی ہر چیز کی مالک بن جائے اور دوسروں کے قبضہ میں کچھ نہ رہنے دے۔ حالاں کہ اگر وہ گھر کے دوسرے ارکان کو اپنا سمجھے تو اس قسم کا احساس اس کے اندر نہیں پیدا

ہو سکتا۔ کیوں کہ ایسی حالت میں وہ اپنی چیز کو دوسروں کی چیز سمجھے گی، اور دوسروں کی چیز بھی اس کو اپنی نظر آئے گی۔

سب کو اپنا جانیے اور اپنے کو سب کا سمجھئے، یہی اچھا گھر بنانے کا سب سے آسان طریقہ ہے اور یہی کسی سماج کو اچھا سماج بنانے کا طریقہ بھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ إن العبادَ کلهم إخوة (ابو داؤد) یعنی خدا کے تمام بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ عالمی اخوت کا یہ تصور اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

ظاہری طور پر انسانوں میں بہت سے فرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً رنگ کا فرق، صورت کا فرق، قد کا فرق، اسی طرح جنس اور نسل کا فرق، وغیرہ۔ ان فروق کی بنا پر قدیم زمانہ میں طرح طرح کے تفریقی نظریے بنا لئے گئے۔ کسی نے برتر نسل اور کمتر نسل کا نظریہ بنایا۔ کسی نے انسانیت کو حاکم طبقہ اور محکوم طبقہ میں بانٹا۔ اس طرح ایک اور دوسرے کے درمیان مختلف قسم کی تفریقیں وجود میں آگئیں۔

مگر اسلام نے ان تمام تفریقی دیواروں کو گرا دیا۔ اس نے تمام انسانوں کو برابر قرار دیا۔ خواہ وہ ایک رنگ کے ہوں یا دوسرے رنگ کے۔ خواہ وہ ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے طبقہ سے۔ خواہ وہ مرد کی جنس سے ہوں یا عورت کی جنس سے۔

اسلام نے صرف نظریاتی اعلان نہیں کیا۔ بلکہ اسی اصول مساوات کی بنیاد پر ایک پورا سماج عملی طور پر قائم کر دیا۔ تاکہ ہر دور کے انسانوں کے لئے وہ نمونہ کا کام دے۔ قیامت تک کے تمام لوگ اس سے مساوات انسانی کا نظریاتی سبق بھی لیں، اور اسی کے ساتھ اس کے عملی نمونہ کو دیکھ کر اس کے قابل عمل ہونے کا یقین بھی حاصل کریں۔

ایک اقتباس

سعودی عرب کے مشہور اخبار المسلمون میں ایک بڑے سعودی عالم کے حوالہ سے ایک سوال وجواب چھپا ہے۔ یہ سوال وجواب اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

اهل السنة يشترطون للخروج على الحاكم قدرة التغيير دون إحداث ضرر، ولكن هناك فريقا في هذه الايام يرى ان هذا المنهج متخاذل ولا يصلح لهذا العصر ما رايك؟

—هذا من كلام الشيطان.. الذين يقولون ان التغيير لاتشترط معه القدرة فهم ليسوا متخاذلين فحسب، بل لقد املاهم الشيطان اقوالا ويريدون ان يؤمن بها الناس، وعموما لا يوجد شيء اسمه ثورة اسلامية الا اذا كان هناك ما يسمى "كباريه شرعي". الاسلام نصيحة وليس انقلابا. (المسلمون (جدة) – ٢٨ ابريل ١٩٩٥م)

ترجمہ

س : حاکم وقت کے خلاف خروج کے سلسلہ میں اہل سنت یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نقصان برپا کیے بغیر تبدیلی لانے کی قدرت کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن آج کل ایک فریق کا خیال ہے کہ یہ بے ہمتی کا طریقہ ہے اور موجودہ زمانہ کے لائق نہیں۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

ج : یہ ایک شیطانی بات ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تبدیلی کے لیے اس کی قدرت کی شرط نہیں ہے وہ خود نہ صرف بے ہمت ہیں، بلکہ شیطان نے ان کے ذہنوں میں کچھ باتیں ڈال دی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگ بھی ان پر ایمان لے آئیں۔ دنیا میں ایسی کسی چیز کا مطلق وجود نہیں جس کا نام اسلامی انقلاب ہو۔ اِلّا یہ کہ یہاں کوئی ایسی چیز پائی جائے جو "شرعی کیبرے" کے نام سے موسوم ہو۔ اسلام نصیحت ہے نہ کہ کوئی انقلاب۔

"اسلام نصیحت ہے نہ کہ انقلاب" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام انقلاب نہیں ہے، وہ صرف نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی عمل کا آغاز نصیحت وتلقین سے ہوتا ہے نہ کہ انقلابی اکھاڑ پچھاڑ سے۔ نصیحت کے ذریعہ پہلے افراد کے ذہن کو بدلا جاتا ہے۔ ان کے اندر آمادگی پیدا کی جاتی ہے۔ جب یہ کام بڑے پیمانہ پر ہو چکا ہو، اس کے بعد فطری طور پر وہ وقت آجاتا ہے کہ وہ اجتماعی نتیجہ رونما ہو جس کو انقلاب کہا جاتا ہے۔

برمنگھم کے ایک اسٹور میں داخل ہوا۔ یہ فیرفیکس روڈ پر واقع ہے۔ اس میں ہر قسم کی گھریلو چیزیں برائے فروخت موجود تھیں۔ اس اسٹور کا نام تھا ڈومیسٹکس (Domestiks) مذکورہ قسم کے اسٹور کے لئے یہ نام بہت موزوں معلوم ہوا۔ میں نے سوچا کہ ڈومیسٹکس جیسا یک لفظی نام اردو میں بناؤں۔ مگر کوئی مناسب لفظ سمجھ میں نہ آیا۔ اسی طرح یہاں جو کر سمیت گیہوں کا بسکٹ بنایا جاتا ہے جو کھانے میں بہت ہلکا اور مفید ہے۔ اس کا نام ہوتا ہے (Whole Wheat biscuit) اس کو بھی میں نے اردو میں کہنا چاہا۔ مگر کوئی لفظ میں وضع نہ کر سکا۔ اردو میں شاعرانہ ترکیبیں بنانا آسان ہے، مگر سائنٹفک ترکیبیں بنانا بہت مشکل۔

۸ اگست کو کارڈف (cardiff) میں پروگرام تھا۔ شام کو چار بجے برمنگھم سے کارڈف کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ بذریعہ کار دو گھنٹہ کا سفر تھا جو ویلس (Wales) کے علاقہ سے گزرا۔ یہ یہاں کا بہت خوبصورت علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف سبز پوش پہاڑیاں اور ہرے بھرے میدان دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مگر سر میں چکر کی کیفیت کی وجہ سے میں کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا اور راستہ کے ان خوبصورت مناظر کو دیکھ نہ سکا۔ دنیا میں آدمی کو اگر تمام سامان راحت مل جائے تب بھی اپنی محدودیت کی وجہ سے کسی کے لئے یہاں کی راحتوں سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں۔

کارڈف میں داخل ہو کر پہلے ہم لوگ جناب اقبال احمد صاحب کی رہائش گاہ پر کچھ دیر کے لئے ٹھہرے۔ انھوں نے بتایا کہ کارڈف شہر میں مسلمانوں کے تقریباً آٹھ ہزار خاندان آباد ہیں۔ مسجدیں چھ ہیں۔ مغرب کے قریب تک اقبال احمد صاحب سے گفتگو ہوتی رہی۔ وہ نہایت باصلاحیت آدمی ہیں اور اسی کے ساتھ گہرا دینی جذبہ رکھتے ہیں۔ وہ یہاں ایک اچھی سروس میں ہیں۔ مگر اب پیشگی ریٹائرمنٹ لے کر "دعوہ ورک" میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔

مغرب کی نماز کناٹ روڈ (Connaught Road) کی مسجد میں پڑھی۔ اسی مسجد میں خطاب کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ کافی لوگ موجود تھے۔ بہت سے لوگ دور دور سے آئے تھے۔ نماز کے بعد میں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ایک عالمی پیغام ہے (لیکون للعالمین نذیرا) آخر عمر میں حجۃ الوداع کے موقع پر جب تمام صحابہ جمع تھے، آپ نے فرمایا کہ جو

لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود کو یہ پیغام پہنچا دیں (فلیبلغ الشاهد الغائب) چنانچہ آپ کی وفات کے بعد صحابہ عرب سے نکل کر تمام ملکوں میں پھیل گئے اور اسلام کی عالمی اشاعت کی۔

دور اول کا یہ کام دعوتی منصوبہ کے تحت ہوا تھا۔ موجودہ زمانہ میں صنعتی انقلاب (industrialisation) نے مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکالا اور دوبارہ ان کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ یہ بھی ایک منصوبۂ الٰہی ہے۔ وہ اس لئے ہے تاکہ مسلمان موجودہ انسانی نسلوں تک اسلام کا پیغام پہنچا دیں۔ ہم کو اس خدائی منصوبہ کا شعوری ادراک ہونا چاہئے تاکہ ہم اس کے مطابق خدا کے منصوبہ میں اپنے آپ کو شامل کرسکیں۔ اس کے بعد میں نے صحابہ کرام اور موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا تقابل کرتے ہوئے بتایا کہ صحابہ میں وہ کون سی صفات تھیں جس کی وجہ سے وہ "انصار اللہ" بن سکے۔ اور موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں وہ کون سی کمیاں ہیں جن کو ہمیں دور کرنا ہے تاکہ ہم خدائی منصوبہ کی تکمیل میں اپنا حصہ ادا کرسکیں۔ اور خدا کی طرف سے دنیا و آخرت میں اس کا انعام پائیں۔ تقریر کے بعد لوگوں نے غیر معمولی تاثر کا اظہار کیا اور کہا کہ یہاں ایک اور پروگرام رکھا جائے۔ مگر وقت کی کمی کی بنا پر مجھ کو معذرت کرنی پڑی۔ ڈاکٹر خالد علوی نے کہا کہ آپ نے ہمارے جذبات کو زبان بخش دی۔

مسجد میں ڈاکٹر فقیر محمد خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ کارڈف کی تبلیغی جماعت کے امیر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ دو سال پہلے وہ ایک جماعت لے کر نیویارک گئے۔ نیویارک ایئرپورٹ پر اترے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ ان لوگوں نے وہیں اذان دی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ ایک سفید فام امریکی اس منظر کو بہت غور سے دیکھتا رہا۔ آخر میں وہ ان لوگوں کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ لوگ انگریزی جانتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ آپ لوگ یہاں کیا کر رہے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم اسلام کے مطابق خدا کی عبادت کر رہے تھے۔ اس کا تجسس دیکھ کر جماعت والوں نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور اس کو اسلام کے بارہ میں بتانا شروع کیا۔ وہ متاثر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسی نشست میں اس نے کلمۂ شہادت ادا کرکے اسلام قبول کرلیا۔

ایک صاحب جو بیج (seed) سے متعلق تحقیقی ادارہ میں کام کرتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ ہم ہر چیز کے بیج کو خوردبین کے شیشے کے نیچے رکھ کر دیکھتے ہیں۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ صرف انسان

ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس دنیا کا ہر ذرہ اور ہر چھوٹی بڑی چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مثلاً سیب کے دس ہزار بیج کو لیا جائے اور خورد بین میں اس کو بڑا کرکے دیکھا جائے تو ہر بیج ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دے گا۔ نیچر (فطرت) میں اتنا زیادہ تنوع ایک طرف ارتقاء کی تردید ہے، کیوں کہ مفروضہ ارتقائی عمل یکسانیت کو چاہتا ہے نہ کہ تنوع کو۔ اور دوسری طرف وہ بتاتا ہے کہ کتنا عجیب قدرت والا ہے وہ خدا جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی اور اس کو اس طرح بنایا کہ اس کی ان گنت چیزیں سب کی سب ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

۸ اگست کی دوپہر کو برمنگھم کے مضافات میں گیا جس کو یہاں کی اصطلاح میں کنٹری سائڈ کہا جاتا ہے۔ مغربی ملکوں میں کنٹری سائڈ نہایت خوبصورت ہوتا ہے۔ جناب شمشاد خاں صاحب کا یہاں بہت بڑا مکان ہے۔ یہاں وہ دس سال تک رہے ہیں۔ اب وہ اس کو چھوڑ کر شہر میں نسبتاً چھوٹے مکان میں رہتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس کو دیکھ کر کہا: آپ اتنا اچھا گھر چھوڑ کر کیسے چلے گئے۔ میں نے کہا کہ آپ اچانک اس گھر کو دیکھ رہے ہیں اس لئے وہ آپ کو پرکشش معلوم ہو رہا ہے۔ اگر آپ گھر کو حاصل کرلیں اور اس میں رہنے لگیں تو کچھ ہی دنوں بعد آپ کے لئے اس کی جاذبیت ختم ہو جائے گی۔ اس دنیا میں کوئی چیز اسی وقت تک پرکشش ہے جب تک وہ مل نہ ہو۔ ملنے کے بعد ہی آدمی کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس کی کشش ختم ہو گئی۔

کارڈف میں پاکستان سے آئے ہوئے ایک مسلمان رہتے ہیں۔ ان کا نام مسٹر انور شیخ ہے۔ انھوں نے ۱۹۹۰ میں ایک کتاب چھاپی ہے جس کا نام ابدیت (Eternity) ہے۔ ۳۲۸ صفحہ کی کتاب میں اسلام کے بارہ میں نہایت باغیانہ قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ پہلے میں کٹر مسلمان تھا۔ پھر پاکستان میں میں نے دیکھا کہ اسلام ایک مذاق بن گیا ہے۔ وہ سیاستداں کے لئے ذریعہ قوت ہے اور ملّا کے لئے ذریعہ معاش۔ شفاعت کے عقیدہ کی وجہ سے کوئی بھی اچھے اخلاق کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ محمد عربی ہماری سفارش کر دیں گے اور ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔

مصنف سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ ان کی کتاب میں نے دیکھی۔ اس کتاب کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ خدا انسان ہے اور انسان خدا ہے (God is man and man is God)

اس کتاب کے بارہ میں ان کا ایک انٹرویو لندن کے ماہنامہ کردار (مارچ ۱۹۹۴) میں دیکھا۔ اس میں انھوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ "قرآن میں بعض آیات ایسی ہیں جن سے میرے دعویٰ کی دلیل ملتی ہے۔ مثلاً قرآن کی آیت ہے کہ قیامت کے دن اللہ میاں مسند انصاف پر بیٹھے گا اور اس کے دائیں طرف محمد عربی بیٹھیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں ایک ہیں" (صفحہ ۳۹)

ہر شخص جس نے قرآن کو پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ ایسی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے۔ دنیوی علوم میں کوئی مصنف اس قسم کی بے بنیاد بات نہیں کہے گا۔ مگر مذہب کے معاملہ میں لوگ اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں لکھیں۔ عجیب بات ہے کہ اس کے باوجود وہ اپنے بارہ میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرنے والے لوگ ہیں۔

انگلینڈ میں اور پورے یورپ میں بڑی تعداد میں مسلمان اور دوسرے ایشیائی اور افریقی لوگ بستے ہیں۔ جن کو یہاں نسلی قومیتیں (ethnic communities) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ میں بھی یہ لوگ بڑی تعداد میں ہیں۔ مگر دونوں مقامات میں ایک فرق ہے۔ امریکہ میں منتخب ہجرت (selective migration) ہوئی۔ اس لئے وہاں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ پہنچے۔ جب کہ انگلینڈ وغیرہ میں لوگ بلا امتیاز آئے۔ اسی لئے یہاں زیادہ تر مزدور طبقہ داخل ہوا۔

اس فرق کے مظاہر ہر سطح پر پائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں بسنے والے مسلمان اور دوسرے ایشیائی لوگ زیادہ تعلیم یافتہ اور زیادہ معیاری زندگی گزارتے ہیں جب کہ یہاں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مثلاً لندن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں جن میں ہندی اور اردو مقررین پرجوش تقریریں کرتے ہیں۔ امریکہ میں ایسا نہیں۔ امریکہ کے اجتماعات ہال کے اندر کانفرنس کے انداز میں ہوتے ہیں۔ جب کہ یہاں اسی طرح پارکوں میں بڑے بڑے عوامی جلسے ہوتے ہیں جیسا کہ ہندستان یا پاکستان میں نظر آتے ہیں۔

۹ اگست کی صبح کو میں شمشاد خاں صاحب کے مکان پر اپنے کمرہ میں تھا۔ مکان سے ملحق گارڈن اور میرے کمرہ کے درمیان صرف شیشہ کی دیوار حائل تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک سفید فام نوجوان آتا ہے اور آتے ہی فوراً اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اس نے مشین کے ذریعہ لان کی گھاس کاٹی۔ پودوں کو درست کیا۔ پورے گارڈن کی صفائی کی۔ وہ آٹھ گھنٹہ تک لگاتار اپنے کام میں مشغول رہا۔ نہ بیٹھا، نہ

کسی سے بات کی۔ نہ ادھر اُدھر دیکھا۔ حتی کہ چائے پیتے ہوئے بھی اپنا کام جاری رکھا۔ وہ اس طرح کام کرتا رہا جیسے کسی مشین کا بٹن دبا دیا جائے اور وہ بند کئے جانے تک مسلسل چلتی رہے۔ اس کا نام بلی (Billy) تھا۔ وہ مہینہ میں دو بار یہاں آتا ہے اور ایک بار کا ۳۰ پونڈ لیتا ہے۔

یورپی قوموں میں یہ صفت ان کے معمولی ورکر سے لے کر اعلیٰ عہدیداروں تک پائی جاتی ہے۔ ان کا یہی قومی کردار ان کی ترقی کا راز ہے، نہ کہ کوئی سازش جس کا انکشاف ہمارے دانشور اکثر عارفانہ انداز میں کیا کرتے ہیں۔

برمنگھم میں اسلامک پروپیگیشن سنٹر انٹرنیشنل (IPCI) دعوت کے میدان میں بہت عمدہ کام کر رہا ہے۔ میں نے اس کا مرکز دیکھا۔ یہ مرکز اپنی ترتیب اور اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے پورے طور پر یورپی معیار کے مطابق ہے۔

انھوں نے انگریزی میں بہت سا لٹریچر شائع کیا ہے۔ ایک پمفلٹ کا ٹائٹل یہ ہے کہ بائبل محمدؐ کے بارہ میں کیا کہتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بائبل کا جو قدیم عبرانی اڈیشن ہے، اس میں آج بھی "محمدؐ" کے نام سے پیغمبر آخر الزماں کی پیشین گوئی موجود ہے۔ اس پمفلٹ میں عبرانی نسخہ کے اصل الفاظ شائع کئے گئے ہیں۔ پمفلٹ میں بتایا گیا ہے کہ محمدؐ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ امثال سلیمان میں موجود ہے۔ عبرانی لفظ جو اس میں استعمال کیا گیا ہے وہ محمدیم ہے:

Muhammad is mentioned my name in the Song of Solomon (5:16) The Hebrew word used there is Mahammuddim, translated as 'altogether lovely' in the authorised version of the Bible or 'The Praised One' i.e. Muhammad.

اخبار جنگ کا لندن اڈیشن (۱۹ اگست ۱۹۹۴) دیکھا۔ اس کے درمیانی صفحہ پر جناب خرم مراد صاحب کا مضمون تھا۔ اس میں پاکستان کی بربادی کی ذمہ داری پاکستان کے سیاسی لیڈروں کے اس غلط فیصلہ پر ڈالی گئی تھی کہ انھوں نے امریکہ سے تعلق قائم کر لیا، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ "اکتوبر اور نومبر ۱۹۵۳) میں جنرل ایوب کی واشنگٹن یاترا کے بعد ۱۹ مئی ۱۹۵۴ کو پاکستان کی فوجی امداد کی درخواست قبول کر کے امریکہ نے امریکہ۔ پاکستان باہمی دفاعی معاہدہ پر دستخط کر دئے۔"

موجودہ زمانہ کے تمام مسلم دانشور اسی قسم کے انکشافات میں مشغول ہیں۔ کوئی اس

واقعہ کو دریافت نہ کرسکا کہ مذکورہ قسم کا شدید تر معاہدہ امریکہ اور جاپان کے درمیان دوسری عالمی جنگ کے بعد ہوا۔ مگر یہ معاہدہ جاپان کو ترقی سے نہ روک سکا۔ پھر ایسا نسبتاً ایک کمتر معاہدہ پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ کیسے بن گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی ترقی ان کی داخلی طاقت پر منحصر ہے نہ کہ کسی قسم کے بیرونی معاہدہ پر۔

لندن کے اردو روزنامہ جنگ (۹ اگست ۱۹۹) میں مسٹر مقیم احمد کا بیان چھپا ہوا تھا کہ " بتھنل گرین کے علاقہ میں ایشیائی تاجروں کا تناسب ۳۵ فی صد سے زائد ہے۔ مگر ان تاجروں کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا جا رہا ہے۔" اس سلسلہ میں میں نے ڈاکٹر تصدیق حسنی سے بات کی جو یہاں ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ سے رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ واقعہ ہے کہ برطانیہ کے سفید فام باشندے ہم لوگوں سے امتیاز برتتے ہیں۔ ہم کو ہائر جاب نہیں دیا جاتا۔ اور اگر کوئی آدمی سروس میں پہنچ جائے تو اس کو پروموشن نہیں ملتا۔ البتہ یہ نمایاں صورت میں نہیں ہے۔ اس کو آپ مخفی امتیاز (hidden discrimination) کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے امتیاز کے کئی ذاتی تجربے بتائے۔

برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو ملین ہے۔ اگر ان مسلمانوں سے ملئے تو وہ طرح طرح کی شکایتیں بیان کریں گے۔ لندن کے ایک مسلم دانشور نے برطانی مسلمانوں کا ایک اجتماع کیا اور اس میں "مسلم پارلیمنٹ" بنانے کا اعلان کر دیا جو برطانی مسلمانوں کے مسائل کو حل کرے گی۔ برٹش میڈیا نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ ایک ملک میں دو پارلی منٹ نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد یہاں کے مسلمان اس تحریک سے بے تعلق ہو گئے اور مسلم پارلی منٹ کی بات ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ ہندستان کے مسلمان بھی اگر اپنے جذباتی لیڈروں کے ساتھ یہی معاملہ کریں تو یہاں بھی جھوٹی لیڈری کی جڑ کٹ جائے اور فرقہ وارانہ جھگڑے اپنے آپ ختم ہو کر رہ جائیں۔ کیوں کہ یہی جذباتی لیڈر ہیں جو اپنے حقیر مقاصد کے لئے فرقہ وارانہ جھگڑے کھڑا کرتے ہیں۔ اور کسی جذباتی لیڈر کو طاقت ہمیشہ مسلمانوں کے سپورٹ سے حاصل ہوتی ہے۔

برطانیہ میں ایک برٹش نیشنل پارٹی ہے۔ ان لوگوں کا نعرہ ہے کہ برطانیہ برطانیوں کے لئے۔ وہ ایشیا اور افریقہ سے آنے والے تمام لوگوں کو اپنے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں چند

سال پہلے ان کا ایک لیڈر اینک پاویل (Enoch Powel) منتخب ہو کر پارلی منٹ میں پہنچ گیا تھا وہاں وہ اشتعال انگیز تقریریں کرتا رہا۔ برطانی لوگوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔ چنانچہ اس بار وہ الکشن میں ہار گیا۔ اور دوبارہ پارلی منٹ میں نہ پہنچ سکا۔ یہی اگر ہندستان میں ہو تو یہاں بھی تمام تخریب پسند تحریکوں کی جڑ کٹ جائے۔

۹ اگست کو مغرب کی نماز اسپارک بروک کی مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد یہاں خطاب ہوا۔ خطاب میں میں نے اس حدیث کو موضوع بنایا: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث میں نے کہا کہ بدگمانی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ہے واقعہ کو غلط رخ سے دیکھنا۔ ہمیشہ غلط رخ سے دیکھنے ہی کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور آدمی الٹی رائے قائم کر لیتا ہے جس کو بدگمانی کہا جاتا ہے۔ یہ سخت گناہ کی بات ہے۔ دور صحابہ کی مثالوں سے بتایا کہ غلط رخ سے دیکھنے میں کس طرح مقدس شخصیتوں کی تصویر بھی بگڑ جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی کے بارہ میں رائے قائم کرتے ہوئے سخت احتیاط سے کام لیا جائے۔

۱۰ اگست کی صبح کو اخبار جنگ کے نمائندہ مسٹر عباس ملک آگئے۔ ان سے دیر تک موجودہ زمانہ کے مسلم مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا۔ وہ اس کو انٹرویو کی شکل میں اخبار جنگ میں شائع کرینگے۔

انھوں نے کہا کہ ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کا قافلہ چل رہا تھا۔ اس نے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا۔ کچھ عرصہ کے بعد فاختہ کے غول وہاں آگئے اور درخت کے اوپر اپنی بولی بولتے ہوئے منڈلانے لگے۔ بزرگ نے پوچھا تو فاختہ کی جماعت کے لیڈر نے کہا کہ ہمارا ایک جوڑا ایک درخت پر پتیوں کے سایہ میں آرام کر رہا تھا کہ آپ کے ایک ساتھی نے غلیل مار کر ایک فاختہ کو گرا لیا اور ذبح کر ڈالا۔ بزرگ نے اس آدمی سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ حضرت، میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ یہ جانور تو ہماری خوراک ہیں اور وہ ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ بزرگ نے فاختہ کے لیڈر تک یہ جواب پہنچا دیا۔ اس نے کہا کہ ہماری شکایت یہ نہیں ہے۔ ہماری شکایت تو یہ ہے کہ آپ لوگ یہاں صوفی کے روپ میں آئے مگر آپ نے شکاری والا کام کیا۔ آپ کو صوفی کے روپ میں دیکھ کر ہم مطمئن تھے کہ آپ سے ہم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر آپ شکاری کے روپ میں ہوتے تو ہم نے بھی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا ہوتا۔

یہ اگرچہ ایک کہانی ہے۔ مگر وہ صوفیا، اور بادشاہوں کے فرق کو بہت اچھی طرح بیان کررہی ہے۔ صوفیا بے ضرر بن کر لوگوں کے سامنے آئے اس لئے لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ بادشاہ لوگ شکاری کے روپ میں آئے اس لئے لوگ ان سے متوحش ہوگئے۔

ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ پاکستان جیسے ملکوں میں جو جھگڑا فساد ہے اس کا سبب ڈیموکریسی ہے۔ ڈیموکریسی نے ہر آدمی کو سیاسی حوصلہ مند (ambitious) بنادیا ہے۔ آپ تقابلی طور پر دیکھئے کہ جو انتشار پاکستان میں ہے وہ سعودی عرب میں کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں تمام لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاسی گدی تو صرف شاہی خاندان کو ملے گی۔ اس لئے لوگ سیاست سے نظریں پھیر کر اپنے کھانے کمانے میں لگے رہتے ہیں۔ مگر پاکستان میں ڈیموکریسی ہے۔ اس لئے یہاں ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں بھی کوئی سیاسی عہدہ حاصل کرسکتا ہوں۔ اس لئے ہر آدمی حتی کہ علماء تک سیاست کے میدان میں قسمت آزمائی کے لئے نکل پڑے ہیں۔

جمہوری نظام میں اس مسئلہ کا حل صرف ایک ہے، اور وہ ہے لوگوں کے اندر مینٹل ڈسپلن ہونا۔ یہ مینٹل ڈسپلن یا تو تعلیم کے ذریعہ آتا ہے یا تقویٰ کے ذریعہ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان کی ڈیموکریسی صالح ڈیموکریسی بنے تو آپ کو یہی کرنا ہوگا کہ وہاں کے سماج کو یا تو برطانیہ کی طرح تعلیم یافتہ سماج بنائیں یا دور اول کے اسلام کی طرح متقی سماج۔

لندن کے اخبار جنگ (۹ اگست ۱۹۹۴) میں ایک دلچسپ نیوز آئٹم دیکھنے کو ملا۔ اس کا عنوان تھا: سلمان رشدی اپنے قلم سے اپنا دفاع کرے۔ اس عنوان کے تحت حسب ذیل خبر درج تھی ـــــ ملعون مصنف سلمان رشدی کی حفاظت پر سرکاری اخراجات پر عوام میں اختلافات دیکھنے میں آئے ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ سلمان رشدی کو اپنی حفاظت خود کرنی چاہئے۔ قلم کا وار تلوار سے زیادہ کاری ہوتا ہے تو رشدی کو بھی اپنے قلم سے اپنا دفاع کرنا چاہئے۔ (صفحہ ۱۲)

اس کو پڑھ کر میں نے سوچا کہ اگر رشدی ایسا کہے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ تم لوگوں نے تو میرے قلم کے جواب میں تلوار اٹھائی اور مجھ کو مشورہ دے رہے ہو کہ تمہاری تلوار کا جواب میں قلم سے دوں۔

یہاں ایک کتاب دیکھی۔ ۲۳۷ صفحہ کی اس کتاب کا نام تاریخ برطانیہ (British History) تھا۔

اس میں بتایا گیا تھا کہ برطانی تاریخ میں کوئن وکٹوریہ کے زمانہ سے لے کر پہلی عالمی جنگ تک کے دور کو دی ایج آف امپائر کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں برٹش امپائر سب سے زیادہ وسعت (greatest extent) تک پہنچی جب کہ دنیا کے لینڈ ایریا کا تقریباً $\frac{1}{5}$ (one-fifth) حصہ اس کے قبضہ میں آگیا۔ یہ اس وقت کی عالمی آبادی کا تقریباً چوتھائی حصہ تھا۔ چونکہ یہ پورے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ شہنشاہیت جس میں سورج غروب نہیں ہوتا:

the Empire on which the Sun never sets. (p. 162)

آگے اسی کتاب کے باب دی ماڈرن ورلڈ میں درج تھا کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد برطانی شہنشاہیت ختم ہوگئی۔ جو ممالک اس میں شامل تھے وہ ۱۹۷۰ تک آزاد ہوگئے:

After the Second World War Britain's Empire disappeared, the countries belonging to it were almost all independent by 1970. (p 190)

برطانی شہنشاہیت کی یہ مدت تقریباً سوا سو سال ہوتی ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں تمام سلطنتوں کو عروج کے بعد زوال ہوا ہے۔ اس دنیا میں کسی بھی قوم کے لئے ابدی اقتدار مقدر نہیں۔ قرآن کے مطابق، سیاسی اقتدار آزمائش کے لئے ہوتا ہے۔ یہ آزمائش ہر ایک کی ہونی ہے، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم کو ابدی طور پر سیاسی اقتدار کا مالک بنا دیا جائے۔ انگریز قوم کی یہ دانش مندی ہے کہ اس نے تاریخ کے اس فیصلہ کو بخوشی قبول کرلیا۔

برمنگھم میں حضرت سلطان باہو کے نام پر ایک مرکز ہے۔ ۱۰ اگست کی شام کو مغرب کی نماز یہاں کی مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد خطاب کا پروگرام تھا۔ میں نے اس آیت کو موضوع بنایا کہ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ میں نے کہا کہ اسلام امن اور رحمت کا دین ہے۔ اسلامی کلچر رحمت کلچر ہے۔ یہ اس کی ابدیت کا ثبوت ہے۔ اسلام اگر جنگ کلچر کا علمبردار ہوتا تو موجودہ زمانہ میں اس کی اہمیت ختم ہو جاتی۔ کیوں کہ جدید ہتھیاروں کے ظہور میں آنے کے بعد جنگ صرف تباہی کے ہم معنی بن کر رہ گئی ہے۔ تلوار کے دور میں جنگ کا کچھ فائدہ ہو سکتا تھا۔ مگر بموں کے دور میں یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ جنگ کے ذریعہ کسی بھی قسم کا کوئی فائدہ حاصل ہو سکے۔ مزید یہ کہ موجودہ زمانہ کی جنگ دو طرفہ تباہی بن کر رہ گئی ہے۔

ان خیالات کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان نے کہا: آپ نے ہمارے جذبات کو زبان دیدی۔ مرکز کے ذمہ داروں نے دوبارہ پروگرام رکھنے پر اصرار کیا۔ تقریر کے بعد سوال وجواب ہوا۔ ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ برائی کے خلاف اقدام صرف اس وقت جائز ہے جب آپ کے پاس برائی کو ختم کرنے کی طاقت موجود ہو۔ ایسا اقدام جس کے نتیجہ میں شدید تر برائی پیدا ہو جائے وہ اسلام میں ہرگز جائز نہیں۔

۱۱ اگست کی شام کو لندن میں پروگرام تھا۔ جناب شمشاد خاں صاحب کے ساتھ برمنگھم سے بذریعہ کار روانہ ہوا۔ دو گھنٹہ کا سفر کرکے ہم لوگ لندن پہنچے۔ پہلے کچھ دیر کے لئے جناب محمد اسحاق صاحب کے مکان (گیری روڈ) پر کچھ دیر کے لئے قیام کیا گیا۔ یہاں عصر کی نماز پڑھی گئی۔ کچھ مقامی لوگوں سے تبادلہ خیال ہوا جو یہاں اکٹھا ہو گئے تھے۔

مغرب کی نماز پاکستان کمیونٹی سنٹر (ولزڈن گرین) کی مسجد میں پڑھی گئی۔ اس کے بعد اس کے ہال میں خطاب ہوا۔ یہ خطاب سیرت کے موضوع پر تھا۔ آخر میں سوال وجواب ہوا۔ سنٹر کے چیرمین نے آخر میں بولتے ہوئے کہا کہ آج ایسی ہی تقریروں کی ضرورت ہے۔ مسلمان اگر اس کے مطابق عمل کریں تو ان کے تمام مسائل انشاءاللہ حل ہو جائیں۔

ایک سوال یہ تھا کہ کب ایسا ہوگا کہ مسلمان دوبارہ اسلامی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ جب وہ اس کی شرطیں پوری کر دیں گے۔ قرآن کے مطابق، یہ شرط ایمان باللہ اور عمل صالح ہے (النور ۵۵)

رات ہی کو ہم لوگ دوبارہ برمنگھم واپس آگئے۔ مذکورہ پروگرام اور اسی طرح برطانیہ میں ہونے والے تمام پروگرام ویڈیو ریکارڈ کئے جاتے رہے۔ ریکارڈنگ کا انتظام اسلامک پروپیگیشن سنٹر انٹرنیشنل نے کیا تھا۔

۱۱ اگست کی رات کو جب ہم لوگ پروگرام سے فارغ ہو کر مکان واپس آئے تو یہاں گھر کے اندر دو سفید فام پولیس کے آدمی موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ جناب شمشاد خاں صاحب کے مکان کے اوپر کے حصہ میں ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کے راستہ سے کچھ چور اندر گھس آئے۔ ایک بیگ میں کچھ پونڈ اور کچھ جوئلری رکھی ہوئی تھی اس کو لے کر بھاگ گئے۔ گھر کی خاتون نے پولیس کو ٹیلیفون کیا۔

امنٹ کے بعد پولیس آئی۔ اس وقت تک چور بھاگ چکے تھے۔

معلوم ہوا کہ چوری کے واقعات یہاں عام ہیں۔ حتی کہ یہ چور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ چوری کرتے ہیں۔ چوں کہ پڑوس میں یہاں لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق ہوتے ہیں، اس سے چوروں کو مزید موقع مل جاتا ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ایک روز کسی مکان کے سامنے ایک بڑی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ گھر کا تالا کھول کر اس کا قیمتی سامان گاڑی پر لادا جارہا تھا۔ پڑوسی نے اپنے گھر سے نکلتے ہوئے اس کو دیکھا تو کہا —— کیا آپ یہاں سے جارہے ہیں:

Are you moving.

حالاں کہ اصل حقیقت یہ تھی کہ یہ چور تھے جو بند مکان کا سامان لے کر فرار ہونے والے تھے۔ مگر پڑوسی اتنا بے خبر تھے کہ انھوں نے سمجھا کہ یہ خود گھر والے ہیں جو اپنا سامان لے کر کہیں اور جارہے ہیں۔

ایک صاحب نے بتایا کہ برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی کے ایک لیڈر نے ایک کمپنی سے اپنی پارٹی کے لئے چندہ لیا۔ یہ چندہ رواج کے خلاف تھا۔ اس کے کچھ سال بعد وہ کمپنی دیوالیہ ہوگئی۔ کمپنی کے ذمہ داروں نے جائزہ کے بعد ایک رپورٹ شائع کی جس میں وہ اسباب بتائے گئے تھے جن کی وجہ سے کمپنی فیل ہوئی۔ ایک سبب یہ بھی تھا کمپنی کے کچھ افسر کرپٹ ہو گئے تھے اور اس کے ثبوت میں بتایا گیا تھا کہ انھوں نے کنزرویٹو پارٹی کو مذکورہ عطیہ دیا۔

یہ رپورٹ چھپی تو کنزرویٹو پارٹی کے ذمہ داروں نے اس مسئلہ پر میٹنگ کی۔ غور وفکر کے بعد انھوں نے دو فیصلے کئے۔ ایک یہ کہ مذکورہ رقم کمپنی کو واپس کر دی جائے۔ دوسرے یہ کہ جس لیڈر نے چندہ لیا اور جو اس وقت حکومت میں وزیر تھا۔ اس کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے عہدے سے استعفا دیدے۔

یہی کرپشن کو دور کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ اگر اوپر کے لوگ ایسا کریں کہ وہ خود کرپشن میں مبتلا ہوں۔ حتی کہ وہ یہ قانون بنوالیں کہ ان کے اوپر خود ان کی اجازت کے بغیر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ البتہ وہ جلسوں میں آکر دوسروں کو نصیحت کریں کہ وہ کرپشن سے بچیں تو اس طرح کبھی کرپشن کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

ایک مسلمان مقیم برطانیہ نے کہا کہ انڈیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کے اوپر

تہذیبی حملہ (cultural onslaught) ہے جو ہندستان میں ٹی وی اور دوسرے ذرائع سے جاری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس کے اثر سے مسلمان ہندو تہذیب کو قبول کر رہے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کی شادیوں میں ہندو طریقے رائج ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ چیزیں تو ہندستانی مسلمانوں سے زیادہ پاکستانی مسلمانوں میں آرہی ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں کی شادیوں میں بڑے پیمانہ پر ہندو طریقہ کی نقل کی جارہی ہے۔ انھوں نے اس کا اعتراف کیا۔ پھر میں نے کہا کہ یہ ہندو کلچر کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ تماشا کلچر کا مسئلہ ہے۔ مسلمان اپنی بڑھی ہوئی مادیت کی بنا پر تماشا پسند ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ اس قسم کی تماشائی رسموں کو اختیار کر رہے ہیں۔ ان کا یہ فعل ہندو تہذیب کی تقلید کے طور پر نہیں ہے بلکہ تماشا تہذیب کی تقلید کے طور پر ہے۔ تماشے کی رسمیں چوں کہ اسلام میں موجود نہیں تھیں، انھوں نے ان کو باہر سے درآمد کر لیا۔

مختلف ملکوں کے جو مسلمان برطانیہ میں آباد ہیں ان کی مجموعی تعداد ڈیڑھ ملین ہے۔ ان میں پاکستانی مسلمانوں کی تعداد تقریباً آٹھ لاکھ ہے۔ ان میں بھی زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو آزاد کشمیر (ہندستانی زبان میں مقبوضہ کشمیر) سے آئے ہیں۔ ایک پاکستانی مسلمان جو برمنگھم میں رہتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ برمنگھم میں ۸۰ ہزار پاکستانی آباد ہیں۔ ان میں ۶۰ ہزار وہ لوگ ہیں جو آزاد کشمیر کے علاقہ سے آئے ہوئے ہیں۔

برطانیہ میں مقیم کچھ کشمیری مسلمانوں سے گفت گو ہوئی۔ میں نے کہا کہ کشمیر میں آپ جو جنگجویانہ تحریک چلا رہے ہیں، اس کا مقصد آپ کے اعلان کے مطابق کشمیر کو آزاد کرنا ہے۔ یہ مقصد آپ اس حصہ میں بالفعل حاصل کر چکے ہیں جس کو آپ خود آزاد کشمیر کہتے ہیں۔ پھر جب آپ کا ڈریم لینڈ یا آپ کا مطلوب کشمیر جزئی طور پر آزاد کشمیر کے علاقہ میں عملاً بن گیا تو اس کو چھوڑ کر دوبارہ آپ لوگ برطانیہ کی "غلامی" میں کس لئے آگئے۔ آپ کی یہ روش بتاتی ہے کہ آزادیٔ کشمیر کی تحریک چلانے میں آپ سنجیدہ نہیں ہیں۔

میں نے کہا کہ اصحاب رسول کو جب مدینہ میں ایک آزاد اسلام لینڈ مل گیا تو سارے لوگ وہاں مقیم ہو گئے۔ انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ مدینہ میں چوں کہ مادی آرام نہیں تھا وہ اس کو چھوڑ کر شام اور عراق اور فلسطین چلے جاتے، کیوں کہ وہاں مادی راحت موجود تھی۔ آپ لوگ زبان

سے تو اپنے آپ کو اسلام پسند کہتے ہیں مگر حقیقۃً آپ مادہ پسند ہیں۔

۱۲ اگست کو جمعہ کا دن تھا۔ حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ جمعہ سے پہلے ۲۰ منٹ کا خطاب ہوا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اتحاد کی اہمیت بتائی۔ آخر میں کہا کہ اتحاد ہمیشہ اختلاف کو برداشت کرنے سے قائم ہوتا ہے۔ اختلاف کے باوجود متحد ہونے کا نام اتحاد ہے نہ کہ اتحاد کے ساتھ متحد ہونے کا۔ کیوں کہ ایسا اتحاد تو کبھی دنیا میں وجود میں آنے والا نہیں۔

ٹرسٹ کے چیرمین صاحب نے خطاب کے بعد کہا کہ آپ کی ضرورت سب سے زیادہ انگلینڈ میں ہے۔ یہاں اسی طرح کی باتوں کی ضرورت ہے۔ مگر ایسی باتیں کرنے والا یہاں کوئی نہیں۔ آپ نے ہمارے جذبات کو الفاظ دیدئے۔ انھوں نے کہا کہ یہاں ہم آپ کے لئے سارا انتظام کریں گے، آپ اب یہیں رہ جائیں، انڈیا نہ جائیں۔ خطاب کے بعد ایک صاحب الگ سے ملے انھوں نے کہا کہ مجھے معاف کیجئے۔ آپ کے بارہ میں میرے دل میں بدگمانیاں تھیں۔ مگر اب ساری بدگمانی ختم ہوگئی۔

شام کو مغرب کی نماز مرکز اہل حدیث کی مسجد میں پڑھی۔ یہاں مغرب کے بعد ایک خطاب ہوا۔ اس کا موضوع یہ تھا کہ سنت رسول سے موجودہ زمانہ میں کس طرح رہنمائی حاصل کی جائے۔ اس سلسلہ میں میں نے کہا کہ معروف سنتوں کے سوا بھی بہت سی سنتیں ہیں جو نہایت اہم ہیں۔ مگر وہ لوگوں کے لئے اجنبی بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک سنت تیسیر العسر ہے۔ یعنی مشکل کو آسان بنانا، اپنے مائنس کو اپنے پلس میں تبدیل کرنا۔ تقریر کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ آپ کی وجہ سے یہاں ایسے تعلیم یافتہ حضرات آگئے جو عام طور پر دینی اجتماعات میں نہیں آتے۔

آخر میں سوالات کئے گئے جن کا جواب دیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ آپ کا کہنا ہے کہ اب جہاد بالسیف منسوخ ہو چکا ہے۔ اب صرف جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ جہاد کو منسوخ کہنا خود اپنی جہالت کا اعلان کرنا ہے۔ پھر کون ایسی حماقت کرے گا۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ جہاد کی کچھ لازمی شرطیں ہیں۔ ان شرطوں کی تکمیل کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں۔ یہ شرطیں آپ فقہ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ غزوۂ بدر میں کوئی تیاری نہیں تھی۔ مگر بے سروسامانی کے باوجود

جہاد کیا گیا۔ میں نے کہا کہ غزوۂ بدر کی تیاری تو اتنی بڑی تھی کہ اس سے بڑی تیاری ممکن نہیں۔ حالت یہ تھی کہ تیاری نہ ہونے کی وجہ سے اصحاب رسول جہاد کرنے میں متردد تھے۔ اس وقت قرآن میں یہ یقین دہانی نازل کی گئی کہ تم لوگ میدان جنگ کی طرف بڑھو، تمہاری مدد کے لئے فرشتے اتارے جائیں گے۔ پھر جس گروہ کا ساتھ دینے کے لئے فرشتے آجائیں وہ تو اتنی طاقت ور ہو جائے گی کہ ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اس کو زیر نہ کرسکیں۔

مرکز اہل حدیث کے اجتماع میں تقریر کے بعد بہت سے تحریری سوالات آئے۔ ایک سوال یہ تھا کہ —— آجکل نظام خلافت کے احیاء کا بڑا چرچا ہے۔ قریب میں لندن میں حزب التحریر نے اس موضوع پر ایک کامیاب کانفرنس منعقد کی تھی۔ کیا اسلامی خلافت کا احیاء (موجودہ زمانہ میں) ممکن ہے۔

میں نے کہا کہ قرآن کے مطابق، خلافت (اقتدار ارض) احیاء کا مسئلہ نہیں ہے، وہ اعطاء کا مسئلہ ہے۔ یعنی خلافت کسی گروہ کو خدا کی طرف سے دی جاتی ہے، وہ کسی تحریکِ خلافت کے ذریعہ کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن کے مطابق صحیح طریقہ یہ ہے کہ احیاء کی کوشش افراد ملت پر کی جائے۔ افراد ملت میں جب زندگی آجائے گی تو اس کے بعد خدا کی طرف سے اس کے حق میں خلافت وحکومت

کا فیصلہ بھی کر دیا جائے گا۔

ایک اور سوال یہ تھا کہ ـــــ آپ نے کہا ہے کہ مشکل کو آسان سمجھنا چاہئے، کیوں کہ یہ بھی رسول اللہ کی سنت ہے۔ "کشمیر بنے گا پاکستان" ایک مشکل عمل ہے بقول بعض، پھر کیا ہم اس کو آسان سمجھیں اور اس کے لئے کوشش کریں تو یہ سنت رسول ہوگی۔

میں نے جواب دیا کہ جو بات میں نے کہی وہ یہ تھی کہ عسر میں یسر کو دیکھنا اور اس کو استعمال کرنا یہ بھی ایک سنت رسول ہے۔ مگر موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ یسر کے پہلو کو چھوڑ دیتے ہیں اور عسر سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے کشمیر کے مسئلہ کو دیکھئے تو آپ لوگوں نے سنت کے برعکس طریقہ اختیار کیا ہے۔ ۱۹۸۹ میں جب آپ نے موجودہ مسلح تحریک شروع کی تو کشمیر میں عسر کے ساتھ یسر پوری طرح موجود تھا۔ وہ یہ تھا کہ سیاسی شکایات کو نظر انداز کرتے ہوئے تعلیم، اقتصادیات اور دعوت جیسے میدانوں میں کشمیری قوم کی تعمیر و ترقی کے لئے پرامن کوشش کی جائے۔ مگر آپ لوگوں نے اس موقع کو استعمال نہیں کیا۔ اس کے بجائے آپ نے عسر کی سیاسی چٹان سے لڑنا شروع کر دیا۔ یہ سنت رسول کے سراسر خلاف ہے۔

ایک سوال یہ تھا ـــــ فتنۂ قادیانیت ایک نئے روپ میں برطانیہ میں خصوصاً پھیل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوئی نصیحت ہو تو بتائیں کہ ہم اس فتنہ کا مقابلہ کس طرح کریں۔

میں نے کہا کہ اس معاملہ میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندستان میں قادیانیت پیدا ہوئی۔ اسی کے قریب زمانہ میں امریکہ کی بلیک مسلم تحریک بھی پیدا ہوئی۔ دونوں کا کیس بالکل ایک تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بلیک مسلم تحریک کا فتنہ جلد ہی ختم ہو گیا اور قادیانیت کا فتنہ ابھی تک باقی ہے اور بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ بلیک مسلم تحریک کے فتنہ کو خاموش تدبیر سے حل کیا گیا۔ جب کہ قادیانی فتنہ کو شور و غل کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور شور و غل سے کبھی کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔

بلیک مسلم تحریک الیجا محمد (۱۹۷۵ - ۱۸۹۷) نے شروع کی۔ انھوں نے دعوا کیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ ان کے تمام پیروان کو پیغمبر خدا مانتے تھے۔ مگر ۱۹۷۵ میں ان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا وارث دین محمد ان کا جانشیں ہوا۔ بیٹے کا رجحان یہ تھا کہ ان کے والد پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ

ایک ریفارمر تھے۔ امریکہ کے مسلمانوں نے اس کو خوب استعمال کیا۔ یہاں تک کہ بلیک مسلم اصلاح یافتہ ہوکر بہت بڑی تعداد میں عالمی مسلم امت کا جزء بن گئے۔

ٹھیک یہی معاملہ قادیانیت کا ہوا۔ ۱۸۸۹ میں غلام احمد قادیانی نے اس کی تشکیل کی۔ اس کے بعد اس نے دعویٰ کر دیا کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے۔ مگر ۱۹۱۴ میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو جانشین بنایا گیا۔ بیٹے نے اعلان کر دیا کہ اس کا باپ پیغمبر نہیں تھا۔ وہ صرف ریفارمر تھا۔ یہاں موقع تھا کہ دوبارہ بیٹے کو استعمال کرکے قادیانی فتنہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر عداوت کی نفسیات کی بنا پر یہاں کے مسلمان نہ اس راز کو سمجھ سکے اور نہ اس کو استعمال کر سکے۔ چنانچہ یہ امکان بالکل غیر استعمال شدہ رہ گیا۔ یہاں تک کہ شور و غل کی سیاست نے قادیانی فتنہ کو وہاں پہنچادیا جہاں آج آپ اس کو دیکھ رہے ہیں۔

برطانیہ کے زمانہ قیام میں مسلسل لوگوں سے، خاص طور پر اہل علم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ان سے اسلام اور ملت اسلام کے مسائل پر تبادلۂ خیال جاری رہا۔

ڈاکٹر خالد علوی یہاں ایک یونیورسٹی میں سینئر پروفیسر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ڈیڑھ سال پہلے ان کی ایک ملاقات برطانی پارلیمنٹ کے ڈپٹی لیڈر رائے ہرٹ لے (Roy Hertley) سے ہوئی انھوں نے کہا کہ برمنگھم میں کم از کم دو ایسے انتخابی حلقے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر پارلیمنٹ کے انتخاب میں کبھی کوئی مسلم یہاں سے کامیاب ہوکر نہیں آتا نہ آپ لوگ مسلمانوں کو ٹکٹ دیتے ہیں۔ ہرٹ لے نے جواب دیا کہ جب ایک مسلمان مسلمان کی حیثیت سے منتخب ہوکر ایم پی بنے گا تو وہ برٹش پارلیمنٹ کے خاتمہ کا دن ہوگا:

When a Muslim on the basis of being Muslim is elected as M.P. that will be the end of British Parliament.

پروفیسر اینڈرسن (Anderson) سے ڈاکٹر علوی کی بات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ آپ لوگ مسلمانوں کے ساتھ غیریت برتتے ہیں، حالاں کہ مسلمان مسیح کو پیغمبر سمجھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس یہود کو آپ اپنا سمجھتے ہیں حالاں کہ انھوں نے مسیح کو سولی پر چڑھایا اور ان کو جھوٹا بتایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کو ذہن میں رکھئے کہ مسیح ایک یہودی تھے:

Keep in mind that Jesus was a Jew.

اس قسم کی بے شمار غیر موافق باتیں ہیں، اس کے باوجود مسلمان یہاں کے ماحول سے موافقت کرکے رہتے ہیں۔ یہی موافقت زندگی کا راز ہے، خواہ کوئی مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ملک۔

ایک صاحب سے پرنس چارلس کے اس خطبہ کا ذکر ہوا جو انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں دیا تھا۔ اور جس میں اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ خطبہ یہاں کے فارن آفس نے تیار کیا تھا۔ اور اس کے پیچھے سیاسی مقصد تھا۔ کیوں کہ اس کے بعد ہی پرنس چارلس مڈل ایسٹ کے دورہ پر جانے والے تھے۔ چنانچہ عین اندازہ کے مطابق، وہاں ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔

انھوں نے کہا کہ البتہ اس سے زیادہ بڑی بات وہ تھی جو پرنس چارلس نے ایک انٹرویو میں کہی۔ برطانیہ کا بادشاہ روایتی طور پر (مسیحی) مذہب کا ڈیفنڈر سمجھا جاتا ہے۔ مگر چارلس نے کہا کہ اس ملک میں کئی مذاہب ہیں، اس لئے میں ہر مذہب کا ڈیفنڈر بننا پسند کروں گا نہ کہ کسی خاص مذہب کا:

I want to be defender of faith not the faith.

آٹھ سال پہلے ایک انگریزی کتاب چھپی۔ اس میں خدا کے وجود پر شبہ ظاہر کیا گیا تھا:

Hugh Monte Fiore, The Probability of God.

اس کتاب پر بی بی سی نے ایک مباحثہ کا انتظام کیا تھا۔ اس کا ویڈیو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں ہر مذہب کے لوگ تھے۔ انھوں نے مختلف باتیں کہیں۔ ایک ہندو پروفیسر نے کہا کہ خدا محبت اور حسن ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ خالق کو کس نے پیدا کیا (who created the Creator) ایک صاحب نے کہا کہ کیا خدا نے انسان کو پیدا کیا یا انسان نے خدا کو پیدا کیا:

Man created God or God created man?

احمد دیدات صاحب بھی حاضرین میں موجود تھے۔ خاتون کنڈکٹر نے سوال کیا کہ اسلام میں جنگ کی تعلیم ہے۔ احمد دیدات صاحب نے کہا کہ ہاں اسلام میں دفاع کے لئے جنگ کی اجازت ہے اور میں آپ کو قابل احترام سمجھتا ہوں (I take my hat off to you) کہ دوسری عالمی جنگ میں

جب ہٹلر نے آپ کے ملک پر حملہ کیا تو آپ نے مسیح کی تعلیم کے مطابق ایسا نہیں کیا کہ جو ایک گال پر مارے اس کو دوسرا گال بھی پیش کر دو بلکہ آپ نے اسلام کی تعلیم کے مطابق اس کی جارحیت کا دفاع کیا۔ اس مباحثہ کا ویڈیو ٹیپ اسلامک پروپیگیشن سنٹر انٹرنیشنل میں موجود تھا۔ اس کو میں نے وی سی آر پر دیکھا۔

یورپ میں اور برطانیہ میں فلاحی ریاست (ویلفیر اسٹیٹ) کا بہت چرچا ہے۔ مگر اس کا تجربہ زیادہ اچھا ثابت نہیں ہوا۔ پورے یورپ میں سویڈن کو سب سے زیادہ کامیاب فلاحی ریاست سمجھا جاتا ہے۔ وہاں بچہ ابھی پیٹ میں ہوتا ہے کہ اس کا الاؤنس (maternity allowance) جاری ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پیدائش سے لے کر موت تک ہر قسم کی ضرورتوں کی ذمہ دار ریاست ہوتی ہے۔ مگر اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ خودکشی کی شرح سب سے زیادہ سویڈن میں پائی جاتی ہے۔

اس دنیا میں انسان کی اصل ضرورت راحت نہیں ہے بلکہ چیلنج ہے۔ راحت زندہ انسان کو مردہ بناتی ہے اور چیلنج مردہ انسان کو زندہ کر دیتا ہے۔

۱۳ اگست کی شام کو برسٹل میں پروگرام تھا۔ ساڑھے تین بجے برمنگھم سے روانگی ہوئی۔ دونوں شہروں کے درمیان بہت عمدہ چوڑی سڑک ہے جس کو یہاں کی زبان میں موٹر وے کہا جاتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف نہایت سرسبز مناظر دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایک جگہ ویلکم بریک (Welcome break) کے نام سے سڑک کے کنارے بہت کشادہ جگہ تھی۔ آنے جانے والے یہاں کار پارک کر کے ٹھہرتے ہیں۔ یہاں باتھ روم، ٹیلیفون، ریستوران اور سروس وغیرہ کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ہر چیز اعلیٰ معیار پر نظر آئی۔

دو گھنٹہ سفر کر کے ہم لوگ برسٹل میں داخل ہوئے۔ یہ شہر بہت خوبصورت دکھائی دیا۔ پہلے جناب امداد علی احمد صاحب کے مکان پر کچھ دیر کے لئے ٹھہرے۔ یہاں کچھ لوگ موجود تھے جن سے گفتگو ہوتی رہی۔ برسٹل میں تقریباً چھ ہزار مسلمان ہیں۔ اور چار مسجدیں ہیں۔ مغرب کی نماز یہاں کی جامع مسجد میں پڑھی۔ یہ مسجد ایک گرجا کو خرید کر بنائی گئی ہے اور نہایت خوبصورت ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد خطاب ہوا۔

میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں جو انقلاب لائے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو ملا کر کل ۱۰۲۰ لوگ ہلاک ہوئے۔ یہ تعداد اتنی کم ہے کہ اس انقلاب کو غیر خونی انقلاب (bloodless revolution) کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے غیر خونی انقلاب بھی رسول اللہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسلمان جگہ جگہ اسلام کے نام پر خونیں انقلاب لانے کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔ مگر اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کا وقفہ تھا۔

ایک سوال یہ تھا کہ حضرت عمر ایک بار بائبل کا ایک حصہ لائے اور اس کو پڑھنے لگے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے بائبل کو پڑھنا جائز نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ وقتی بات تھی۔ جس زمانہ میں قرآن اتر رہا تھا، اس زمانہ میں حدیث کو بھی لکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے ساتھ کوئی دوسرا کلام خلط ملط نہ ہونے پائے۔ مگر جب قرآن مدون ہوگیا تو بعد کو علماء نے بڑے پیمانہ پر بائبل کا مطالعہ کیا اور اس کے بارہ میں کتابیں لکھیں۔ مثلاً ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ اسپین میں مسلمانوں نے بائبل پر اتنی مہارت پیدا کی کہ عیسائی لوگ مسلم علماء کے یہاں بائبل کا درس لینے کے لئے آتے تھے۔ وغیرہ

برطانیہ کے زمانۂ قیام میں میں نے یہاں کی مختلف مسجدوں میں نماز پڑھی۔ ہر جگہ میں نے دیکھا کہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر مسجد کے اندر اذان دی جاتی ہے۔ موذن مسجد کی چھت پر بھی اس کے لئے کھڑا نہیں ہوتا۔ مؤذن کی آواز صرف مسجد کے اندرونی حصہ میں سنائی دیتی ہے۔ یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باہر کے ملکوں میں مسلمان کس طرح وہاں کے نظام سے موافقت کر کے رہتے ہیں۔

لندن کے اردو اخبار جنگ (۱۳ اگست ۱۹۹۴) میں صفحہ اول کے نیچے یہ خبر تھی کہ نسل پرست غنڈوں نے جرمنی میں ایک مسجد کو آگ لگا کر شہید کر دیا ہے۔ آگ جرمنی کے جنوب میں واقع سنگن شہر میں لگائی گئی جس سے وہاں کی مسلم آبادی میں سخت تشویش پھیل گئی ہے۔ جرمنی میں نسل پرستوں کے حملوں میں گزشتہ دو سال میں تشویشناک اضافہ ہوگیا ہے۔ سٹٹ گارڈ پولیس نے بتایا کہ مسجد میں آگ لگانے کا واقعہ ایک نواحی قصبہ میں ایک اسلامی ثقافتی مرکز میں آتش زدگی

کے ایک روز بعد ہوا۔ بتایا گیا کہ دونوں واقعات میں کوئی زخمی نہیں ہوا۔ البتہ بھاری مالی نقصان ہوا ہے۔ آگ رات کے وقت لگائی گئی جب کہ دونوں ادارے بند تھے۔ گزشتہ چھ ماہ کے دوران ترکوں کے کاروباری اداروں اور ثقافتی مراکز پر ۸ حملے ہوئے ہیں جن میں چھ افراد زخمی ہو گئے ہیں۔ جرمنی میں ترکوں کی آبادی ۱۸ لاکھ ہے جن میں ایک چوتھائی کرد ہیں۔ اس طرح کے واقعات یورپ میں ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہاں ان کے خلاف کسی احتجاجی مہم کا کوئی وجود نہیں۔

صفحہ آخر کی ایک خبر میں بتایا گیا تھا کہ بنگلہ دیش کی متنازعہ تسلیمہ نسرین اس وقت سوئیڈن میں ہے۔ اس نے یہاں ایک محفوظ جگہ رہائش اختیار کی ہے۔ خبر کے مطابق، تسلیمہ نسرین جب سوئیڈن پہنچی تو سوئیڈن کی خاتون وزیر خارجہ مارگریتھا نے ایئرپورٹ پر اس کا استقبال کیا۔ تسلیمہ نسرین ایک گم نام اور غیر اہم خاتون تھی۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف شور وغل کر کے اس کو انٹرنیشنل اہمیت دیدی۔

مسٹر نذر ملک پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۴ اگست کی ایک ملاقات میں انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ انڈیا میں مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتی ہوتی ہے۔ ان کو گورنمنٹ سروس نہیں دی جاتی۔ میں نے کہا کہ یہ بعض انفرادی واقعات کا جنرلائزیشن ہے۔ اور اس طرح کے انفرادی واقعات ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ۱۹۴۷ میں جب ملک تقسیم ہوا اس وقت کثیر تعداد میں مسلمان گورنمنٹ سروس میں موجود تھے۔ مگر اس وقت یہ ہوا کہ بڑی تعداد میں ملازمین اور تعلیم یافتہ اصحاب انڈیا چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ اس کمی کو پاکستانی علاقہ سے آنے والے ہندوؤں نے پر کیا۔ اس طرح اچانک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ اور اس طرح کا خلا جب ایک بار پیدا ہو جائے تو دوبارہ اس کے پر ہونے میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ کیوں کہ پاکستان میں بھی ہم ٹھیک اسی صورت حال کا تجربہ کر رہے ہیں۔ پاکستان میں لوگ کہتے ہیں کہ اردو اسپیکنگ مہاجرین سروسوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ پاکستان سے ہندو ملازمین جب انڈیا چلے گئے تو ان جگہوں کو انڈیا سے آنے والے مسلم مہاجرین نے پر کیا۔ اس طرح سابقہ توازن ٹوٹ گیا۔

۱۴ اگست کو برمنگھم کی جامع مسجد میں سیرت النبی کا جلسہ تھا۔ ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھی۔

کے بعد سیرت کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس تقریر کے لئے میں نے اس آیت کو موضوع بنایا: عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ اس جلسہ میں برمنگھم کے لارڈ میر بھی آئے تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اسلام کے بارہ میں اچھے خیالات کا اظہار کیا۔

شام کو نماز عصر کے بعد جناب شمشاد محمد خاں صاحب کی رہائش گاہ پر ایک اجتماع ہوا۔ اس میں تعلیم یافتہ عورت اور مرد جمع ہوئے۔ اس میں ایک مفصل تقریر کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جدید علمی اور تاریخی حقائق نے دوسرے مذاہب کی صداقت کو مشتبہ کر دیا ہے۔ مگر یہ حقائق اسلام کی صداقت کو ری اسٹیبلش کر رہے ہیں۔ اس نے موجودہ زمانہ میں اسلامی دعوت کے لئے نئے زیادہ طاقتور مواقع پیدا کر دئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کو استعمال کیا جائے۔ تقریر کے بعد دیر تک سوال وجواب کا پروگرام رہا۔

ایک سوال یہ تھا کہ قرآن میں اصحاب رسول کے بارہ میں ہے کہ فالف بین قلوبکم واصبحتم بنعمتہ اخوانا مگر حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ اس کی تردید کرتی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ استثنار (exception) کے ذریعہ عموم (rule) کو کاٹ رہے ہیں اور یہ طریقہ سراسر غیر علمی ہے۔ اس دنیا کے قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ یہاں ہر عموم میں استثنا موجود ہوتا ہے۔ جو بیان (اسٹیٹمنٹ) دیا جاتا ہے وہ ہمیشہ عموم کے پیش نظر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک معہود ذہنی ہے کہ اس میں استثنا بھی پایا جائے گا۔ اس لئے نہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے اور نہ اس سے عموم کی تردید ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ دوسری مذہبی کتابیں محرف ہیں اور قرآن غیر محرف۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر میں بے شمار اختلافات موجود ہیں۔ کیا یہ اختلافات اس کی تردید نہیں ہیں کہ قرآن بھی اب محفوظ کتاب نہیں رہا۔ میں نے کہا کہ آپ متن اور تفسیر میں خلط مبحث کر رہے ہیں۔ دوسری مذہبی کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ اصل متن میں تحریفات ہو گئی ہیں۔ جبکہ قرآن کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا متن مکمل طور پر محفوظ ہے۔ البتہ تفسیر وتشریح میں لوگوں نے اپنے خیالات شامل کر دئے ہیں۔ مگر اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ کیوں کہ متن محفوظ رہنے کی وجہ سے ہمارے پاس وہ کسوٹی موجود ہے جس کے ذریعہ تفسیر وتشریح کے اختلافات کو جانچ کر ان کی

صحت معلوم کی جا سکے۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم نواز شریف نے اگست ۱۹۹۴ میں برطانیہ کا دورہ کیا۔ ۲۰ اگست کو لندن کے ٹاؤن ہال میں ان کی تقریر تھی، ٹاؤن ہال میں برطانیہ میں مقیم پاکستانی مسلمان بڑی تعداد میں جمع تھے۔ نواز شریف صاحب جب ٹاؤن ہال میں داخل ہوئے تو ہال نعروں سے گونج اٹھا:

ایٹم بم کس نے دیا ، نواز شریف نے

انڈیا کو کس نے ڈرایا ، نواز شریف نے

پاکستان کا ہر آدمی پاکستان کی شناخت اسلام بتاتا ہے، مگر اس قسم کے نعرے سراسر اسلام کی ضد ہیں۔ اگر واقعۃً پاکستان ایک اسلامی ملک ہوتا اور نواز شریف حقیقی معنوں میں اس کے اسلامی حکمراں رہے ہوتے تو ٹاؤن ہال کے نعرے یہ ہوتے:

پاکستان کو اسلامی معاشرہ کس نے بنایا ، نواز شریف نے

انڈیا سے پرامن تعلقات کس نے قائم کئے ، نواز شریف نے

مذکورہ نعرے بلاشبہ قومی جاہلیت کے نعرے ہیں نہ کہ اسلامی اصول پسندی کے نعرے۔ قوم پرستی نفرت کلچر پیدا کرتی ہے، اور خدا پرستی اس کے برعکس رحمت کلچر۔

۱۵ اگست کو واپسی کا دن تھا۔ جناب شمشاد محمد خاں صاحب کے ساتھ برمنگھم سے لندن کے لئے روانہ ہوا۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچا۔ جناب شمشاد صاحب میرا ٹکٹ لے کر کھڑکی پر گئے تاکہ بورڈنگ کارڈ اشو کرائیں۔ مگر وہاں ایک عجیب قصہ پیش آیا۔ کلرک نے کہا کہ اس کے اندر واپسی کی سلپ موجود ہی نہیں۔ کسی غلطی سے وہ دہلی ایئرپورٹ پر کھوئی گئی تھی۔

"کوئی پریشانی کی بات نہیں، یہ لوگ بہت ہلپ فل ہوتے ہیں"۔ شمشاد صاحب نے کہا اور فوراً وہ اس کاؤنٹر پر گئے جو ٹکٹ کے مسائل کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں ایک معمر خاتون کھڑکی کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے میرا ٹکٹ لیا اور یہ کچھ کہے بغیر فوراً کمپیوٹر پر اپنی انگلیاں چلانے لگی۔ اس طرح وہ دیر تک اس کو جانچتی رہی۔ آخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک جینوئن کیس ہے۔ اس کے بعد اس نے مزید کارروائی کر کے نئی سلپ ہمیں دیدی۔ اس کی بنیاد پر ہم کو بورڈنگ کارڈ مل گیا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ یہی حادثہ اگر کسی مسلم ملک کے ایئرپورٹ پر پیش آتا تو شاید وہ ٹکٹ پھینک دیتا اور کہتا کہ جاؤ ہم کو پریشان

ت کرو۔

ابھی وقت کافی تھا، ہم لوگ ایرپورٹ کے ہوٹل میں چلے گئے۔ جس میز پر بیٹھ کر ہم نے چائے پی وہاں ہوٹل کے مینجمینٹ کی طرف سے ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ یہاں کوئی چیز خریدیں اور اس کے بعد آپ اس سے مطمئن نہ ہوں تو ہم آپ کی رقم آپ کو لوٹا دینگے:

We'll refund your money if you're not happy with anything you buy. And 'that's guaranteed.

ہوٹل میں ایک ہندستانی نوجوان ملازم تھا۔ وہ میز کرسی وغیرہ درست کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں دس سال سے ہے۔ اس کی تنخواہ ہندستانی معیار سے تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ ماہانہ ہے۔ اس طرح کا ایک معمولی ورکر ۲۵ ہزار روپیہ مہینہ انڈیا میں حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے وطن سے بھاگ کر یہاں چلے آرہے ہیں۔ جن لوگوں کے خلاف ہندستانیوں نے آزادی کی لڑائی لڑی تھی، انھیں کی غلامی میں دوبارہ وہ خود اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی میں سیاست سے زیادہ اہمیت اقتصادیات کی ہے۔

جناب شمشاد صاحب سے رخصت ہو کر ایرپورٹ کے اندر داخل ہوا۔ یہاں اسکرین پر مختلف ہوائی جہازوں کے اوقات بتائے جارہے تھے۔ ہانگ کانگ کی پرواز بالکل تیار تھی۔ چنانچہ اس کے نام کے آگے روشن حروف میں بار بار آرہا تھا کہ آخری کال (last call) میں نے سوچا کہ انسانوں کے لئے بھی اسی طرح "آخری کال" آتی ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو آخری کال کی اس آواز کو سن سکیں۔

لندن سے برٹش ایرویز کی فلائٹ ۱۴۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ راستہ میں برٹش ایرویز کا انفلائٹ میگزین ہائی لائف (high life) کا شمارہ اگست ۱۹۹۴ پڑھا۔ اس کے ایک مضمون میں مشہور کھلاڑی لن فورڈ کرسٹی (Linford Christie) کے حالات بتائے گئے تھے۔ ایک صفحہ پر مذکورہ کھلاڑی کی ہنستی ہوئی تصویر تھی۔ اسی کے ساتھ اس کی ایک اور تصویر تھی جس میں وہ بھاری وزن اٹھائے ہوئے تھا اور اس کے چہرہ پر مشقت کی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے یہ جملہ لکھا ہوا تھا کہ فاتحانہ مسکراہٹ سخت تربیت کے بعد حاصل ہوتی ہے:

Hard training brings the smile of success.

یہ صرف کھیل کی بات نہیں ہے۔ یہ پوری زندگی کے لئے فطرت کا قانون ہے۔ اس دنیا میں کامیابی کی خوشی صرف وہ آدمی حاصل کرتا ہے جو محنت و مشقت کی صعوبت کو برداشت کرکے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنالے۔

۱۶ اگست ۱۹۹۴ کی دوپہر کو ہمارا جہاز دہلی ایرپورٹ پر اتر گیا۔ اس وقت ہندستان کی گھڑیوں میں گیارہ بج رہے تھے جبکہ لندن میں اس وقت ساڑھے ۶ بجے کا وقت تھا۔ جب میں دہلی سے لندن پہنچا تو میں نے ساڑھے چار گھنٹے کھو دئے تھے۔ لیکن جب میں لندن سے واپس ہوکر دہلی آیا تو میں نے ساڑھے چار گھنٹے دوبارہ حاصل کر لئے۔ یہی اس دنیا کا نظام ہے۔ یہاں ہر کھونے کے ساتھ پانا بھی جڑا ہوا ہے۔ اگر آپ کو کھونے کا تجربہ ہو تو آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ سادہ طور پر صرف انتظار کی پالیسی اختیار کرلیں۔ اور اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ آپ نے کھویا تھا اس کو دوبارہ آپ نے پالیا ہے، اور اکثر مزید اضافہ کے ساتھ۔

الترمذی، کتاب الدعوات کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: افضل العبادة انتظار الفرج (کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے) اس حدیث کا مطلب غالباً یہ ہے کہ مسئلہ پیش آنے کے وقت انسان اگر بے صبر نہ ہو، وہ معاملہ کو اللہ پر ڈالتے ہوئے انتظار کا طریقہ اختیار کرلے تو عنقریب وہ دیکھے گا کہ جہاں بظاہر تنگی تھی وہیں اللہ نے اس کے لئے کشادگی کا امکان بھی رکھ دیا تھا۔

Rs. 50

موجودہ زمانہ ہر اعتبار سے ایک نیا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں دنیا روایتی دور سے نکل کر سائنٹفک دور میں داخل ہوئی۔ اب ضرورت ہے کہ اسلام کے ابدی اصولوں کو جدید حالات پر ازسرنو منطبق کیا جائے۔ اسی ازسرنو انطباق کا شرعی نام اجتہاد ہے۔ زیرنظر کتاب وقت کے اسی اہم ترین مسئلہ کا علمی اور تاریخی مطالعہ ہے۔

۱- ہندی روزنامہ راشٹریہ سہارا (دہلی) کے نمایندہ مہندر پرتاپ سنگھ نے ۲۶ اپریل ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر الکشن کے مسائل سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ پارٹیوں کو چاہیے کہ وہ نیشنل اشو کو اشو بنائیں، چھوٹے چھوٹے اشو کو ابھارنے میں ملک تباہ ہو جائے گا۔

۲- مرکز تلیفون الشرق الاوسط (Middle East Broadcasting Centre) کے نمایندہ مصری صحافی رفعت یحیی (کرسپانڈنٹ ساوتھ سنٹرل ایشیا) ۲۵ اپریل ۱۹۹۶ کو اپنی ٹیم کے ساتھ مرکز میں آئے اور صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق ہندستانی مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی اور تعلیمی حالات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ الکشن (اپریل-مئی ۱۹۹۶) میں خواہ کوئی بھی پارٹی جیتے، مسلمانوں کے معاملات خود اپنی تعمیری کوشش سے درست ہوں گے نہ کسی پارٹی کو ہرانے یا جتانے سے۔

۳- گاندھی پیس فاؤنڈیشن (نئی دہلی) کے زیر انتظام ۴ مئی ۱۹۹۶ کو ایک پینل ڈسکشن ہوا۔ اس کا موضوع تھا: سوشل ورک اینڈ والنٹری ایکشن۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر مذہبی نقطۂ نظر سے اظہار خیال کیا۔

۴- امریکی روزنامہ لاس اینجلیز ٹائمس کے نمایندہ مسٹر امید شرما نے ۱۶ مئی ۱۹۹۶ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق اسلامی مرکز سے لے کر مسلمانان ہند کے مسائل تک تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہندستانی مسلمانوں کو کسی بیرونی دشمن کا خطرہ نہیں ہے۔ ان کا مسئلہ صرف تعلیم ہے اور اب مسلمان اس محاذ پر یکسوئی سے لگ رہے ہیں۔

۵- ایسوسی ایشن آف پیپلس آف ایشیا اور اکھل بھارت رچناتمک سماج کے زیر انتظام ۱۵-۱۷ مئی ۱۹۹۶ کو وائی ایم سی ہال (نئی دہلی) میں انڈیا اور پاکستان دوستانہ اجتماع (Indo-Pak Amity Meet) کا انعقاد ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کی اہمیت پر تقریر کی۔

۶- فرنچ نیوز ایجنسی (نئی دہلی) کے نمایندہ مسٹر ابھیک کمار چندرا نے ۱۶ مئی ۱۹۹۶ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ دہلی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت بننے سے مسلمانوں کے لیے کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ یہ آزادی اور جمہوریت اور اقوام متحدہ کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں کوئی حکومت کسی کمیونٹی کے لیے خطرہ نہیں بن سکتی۔

۷- جرمنی کی ایک خاتون برونس جولیا ایکرٹ (Julia Eckert) ہندو مسلم تعلقات نیز مسلم اور غیر مسلم تعلقات پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ وہ ۱۷ مئی ۱۹۹۶ کو مرکز میں آئیں اور اس موضوع پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ موجودہ زمانہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان تعلقات کے بگاڑ کا سبب اسلام کی تعلیمات نہیں ہیں۔ یہ صرف نا اہل مسلم رہ نماؤں کی غلط رہ نمائی کا نتیجہ ہیں۔

۸- دور درشن کی ٹیم نے ۲۳ مئی ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ محرم کے تعلق سے یہ انٹرویو امام حسینؓ کے تاریخی کردار کے بارہ میں تھا۔ اس سلسلہ میں علماء اسلام کے نقطۂ نظر کو بتایا گیا۔

۹- ہندی اخبار ہمالیہ درپن کے نمایندہ سندیپ سوربھ نے ۲۴ مئی ۱۹۹۶ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ملک کے موجودہ سیاسی حالات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مسلمان یہ مانتے ہیں کہ اس ملک میں ڈیموکریسی ہے۔ اس لیے ہر پارٹی کو برابر کا سیاسی حق حاصل ہے، بشرطیکہ وہ دستور ہند کی پابند ہو اور فیر الکشن کے ذریعہ اوپر آئی ہو۔

۱۰- امام حسینؓ کی شہادت اور ان کے تاریخی رول کے موضوع پر صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ۲۹ مئی ۱۹۹۶ (۱۰ محرم) کو آل انڈیا ریڈیو (ہندی وارتا) سے نشر کی گئی۔

۱۱- کناڈا کی خاتون اسکالر روتھ ملائے (Ruth Lor Malloy) انڈین گائڈ کے نام ایک کتاب تیار کر رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۳۰ مئی ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ ان کے سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے بارہ میں

تھا۔ مختلف پہلوؤں سے انھیں ہندستانی مسلمانوں کے بارہ میں معلومات دی گئیں۔

۱۱۔ ہندی روزنامہ جن ستہ کے نمایندہ (Mr Jyotirmay) نے ۱۰ جون ۱۹۹۶ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اجودھیا کے مسئلہ کو آربٹریشن ایکٹ کے تحت حل کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۔ خاتون جرنلسٹ ٹی این بھارتی نے ۱۴ جون ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو نوبھارت ٹائمس کے لیے تھا۔ زیادہ تر سوالات کا تعلق نئی مرکزی حکومت کے بارہ میں مسلم ردعمل سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مرکز میں کوئی بھی حکومت آئے، وہ مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ اس لیے کہ کوئی بھی حکومت نہ لامحدود اختیار کی مالک ہوتی اور نہ لامحدود مدت کی۔ مختلف قسم کے ملکی اور غیر ملکی حالات پر حکومت کو عملی طور پر معتدل بنادیتے ہیں۔

مطبوعات مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی

مراٹھی آموز	ڈاکٹر عصمت جاوید	۲۵ روپئے
ایک ہی پیالہ (ڈرامہ)	رام گنیش گڈکری مراٹھی سے ترجمہ خلیل مظفر	۲۰ روپئے
ناگپور میں اردو	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	۵۰ روپئے
علم الامراض	ڈاکٹر کرنل محمد غفران	۹۰ روپئے
چاند تارے	اسحاق خضر	۱۵ روپئے
کمپیوٹر اور اسکی بیسک زبان	عبدالباری مومن	۲۰ روپئے
تصور سنگیت کار	بی آر دیودھر مراٹھی سے ترجمہ دستگیر شہاب	۲۵ روپئے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۴۰ روپئے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۲۵ روپئے
امکان یک بابی ڈرامہ (خصوصی شمارہ)		۱۰ روپئے
امکان سراج اورنگ آبادی (خصوصی شمارہ)		۲۰ روپئے

ملنے کے پتے

۱۔ مہاراشٹر اردو اکادمی، فون 2672703

اولڈ کسٹم ہاؤس، ڈی ڈی بلڈنگ، شہید بھگت سنگھ مارگ، ممبئی ۴۰۰۰۲۳

۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنس بلڈنگ، جے جے اسپتال، ممبئی ۴۰۰۰۰۸

اُردو

	Rs.
تذکیر القرآن جلد اول	200/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-
اللہ اکبر	45/-
پیغمبر انقلاب	50/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-
عظمت قرآن	35/-
عظمت اسلام	50/-
عظمت صحابہ	7/-
دین کامل	60/-
الاسلام	45/-
ظہور اسلام	50/-
اسلامی زندگی	30/-
احیاء اسلام	35/-
راز حیات	50/-
صراط مستقیم	40/-
خاتون اسلام	60/-
سوشلزم اور اسلام	40/-
اسلام اور عصر حاضر	30/-
الربانیہ	40/-
کاروان ملت	45/-
حقیقت حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دور جدید کا خالق	25/-
حدیث رسول	35/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	-
میوات کا سفر	35/-
قیادت نامہ	30/-
راہ عمل	25/-
تعبیر کی غلطی	70/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-
امہات المومنین	20/-
عظمت مومن	7/-
اسلام ایک عظیم جدوجہد	3/-
طلاق اسلام میں	3/-
تاریخ دعوت حق	5/-
مطالعہ سیرت	12/-
ڈائری جلد اول	80/-
کتاب زندگی	55/-
انوار حکمت	-
اقوال حکمت	25/-
تعمیر کی طرف	8/-
تبلیغی تحریک	20/-
تجدید دین	25/-
عقلیات اسلام	35/-
مذہب اور سائنس	-
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	5/-
اسلام دین فطرت	7/-
تعمیر ملت	7/-
تاریخ کا سبق	7/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-
تعارف اسلام	5/-
اسلام پندرھویں صدی میں	5/-
راہیں بند نہیں	12/-
ایمانی طاقت	7/-
اتحاد ملت	7/-
سبق آموز واقعات	7/-
زلزلۂ قیامت	10/-
حقیقت کی تلاش	7/-
پیغمبر اسلام	5/-
آخری سفر	7/-
اسلامی دعوت	7/-
خدا اور انسان	12/-
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	8/-
دینی تعلیم	7/-
حیات طیبہ	7/-
باغ جنت	7/-
فکر اسلامی	50/-
نار جہنم	7/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	7/-
مضامین اسلام	45/-
تعدد ازدواج	10/-
ہندستانی مسلمان	40/-
روشن مستقبل	7/-
صوم رمضان	7/-
علم کلام	9/-
اسلام کا تعارف	2/-
علماء اور دور جدید	8/-
سیرت رسول	10/-
ہندستان آزادی کے بعد	1/-
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	7/-
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	4/-
منزل کی طرف	2/-
الاسلام یتحدی (عربی)	85/-

ہندی

سچائی کی تلاش	8/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
پیغمبر اسلام	4/-
سچائی کی کھوج	10/-
آخری سفر	8/-
اسلام کا پریچے	8/-
پیغمبر اسلام کے مہان ساتھی	8/-
راستے بند نہیں	7/-
جنت کا باغ	8/-
بھوتپتی واد اور اسلام	10/-
اتہاس کا سبق	9/-
اسلام ایک سوابھاوک دھرم	8/-
اجول بھوشیہ	8/-
پونر جیون	8/-
منزل کی اور	3/-

آڈیو کیسٹ

	Rs.
حقیقت ایمان	25/-
حقیقت نماز	25/-
حقیقت روزہ	25/-
حقیقت زکوٰۃ	25/-
حقیقت حج	25/-
سنت رسول	25/-
میدان عمل	25/-
رسول اللہ کا طریق کار	25/-
اسلامی دعوت کے جدید امکانات	25/-
اسلامی اخلاق	25/-
اتحاد ملت	25/-
تعمیر ملت	25/-
نصیحت لقمان	25/-

od Arises	Rs. 95/-
Muhammad: The Prophet of Revolution	85/-
Islam As It Is	55/-
God-Oriented Life	70/-
Religion and Science	45/-
Indian Muslims	65/-
The Way to Find God	20/-
The Teachings of Islam	25/-
The Good Life	20/-
The Garden of Paradise	25/-
The Fire of Hell	25/-
Man Know Thyself	8/-
Muhammad: The Ideal Character	5/-
Tabligh Movement	25/-
Polygamy and Islam	8/-
Words of the Prophet Muhammad	75/-
Islam: The Voice of Human Nature	30/-
Islam: Creator of the Modern Age	55/-
Woman Between Islam And Western Society	95/-
Woman in Islamic Shari'ah	65/-
ijab in Islam	20/-
oncerning Divorce	7/-

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	Rs 70	ایک سال	$20 / £10	$10 / £5
دو سال	Rs 135	دو سال	$35 / £18	$18 / £8
تین سال	Rs 200	تین سال	$50 / £25	$25 / £12
پانچ سال	Rs 300	پانچ سال	$80 / £40	$40 / £18
خصوصی تعاون (سالانہ)	Rs 500	خصوصی تعاون (سالانہ)	$100 / £50	

Finest collection of books on Islam

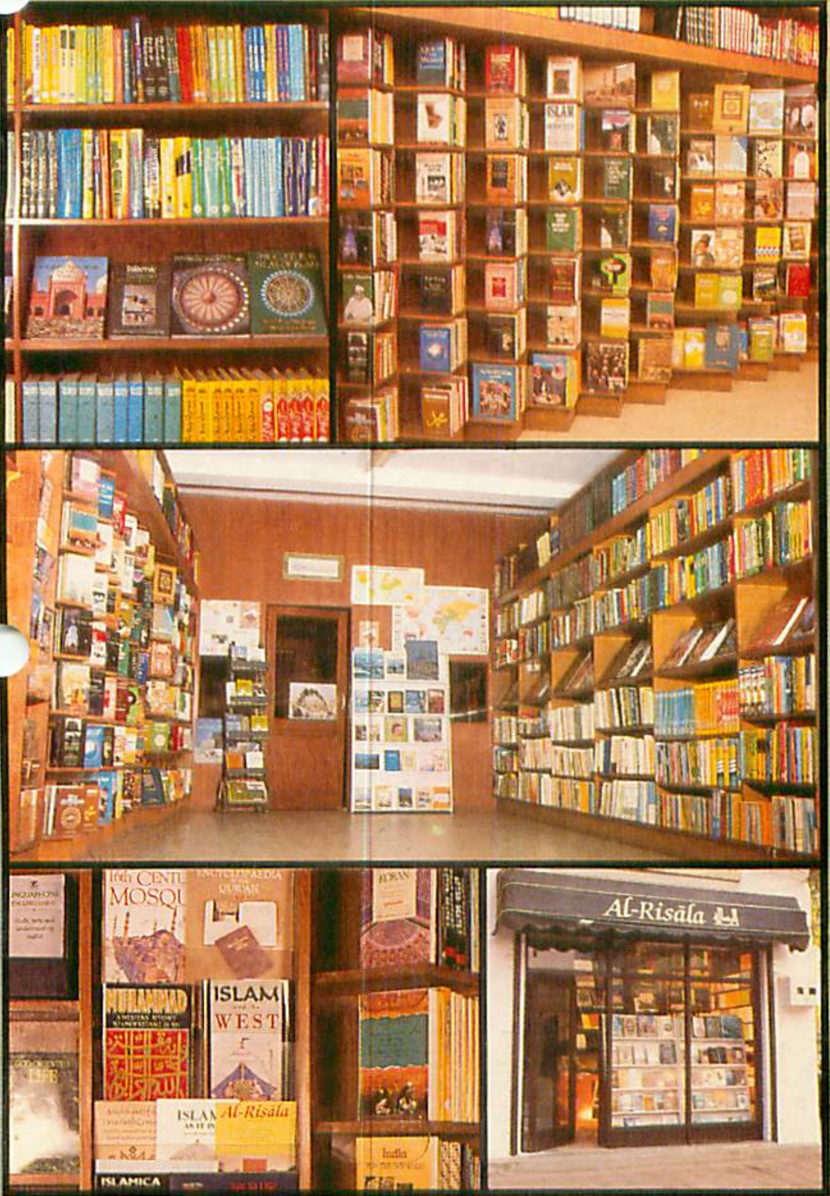

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel. 4611128 Fax 4697333